جلد ۳ جنوری ۱۹۶۲ء شمارہ ۱

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ: پانچ روپے قیمت فی پرچہ: آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

جنوری سنہ ۱۹۶۲ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- پانچ روپے — فی پرچہ:- پچاس پیسے

فہرست مضامین!

طابع و ناشر:- محمد ابراہیم؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ؛ مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ "انصار اللہ" دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۳ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۱
(۱۵ جنوری ۱۹۶۲ء)

سالِ ۱۹۶۱ء کا عظیم ترین سانحہ

ایک نہایت پیارے اور مقدس وجود کا المناک وصال

سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ میں ۱۹۶۱ء کا عظیم ترین سانحہ وہ سانحہ ہے کہ جس نے خدائی مشیّت کے ماتحت اُس پیارے اور مقدس وجود کو ہم سے جُدا کر دیا کہ جو اِس زمانہ میں عظیم الشان خدائی نشانوں کا مظہر تھا، جو احمدیت اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے زندہ و درخشندہ ثبوتوں میں سے ایک ثبوت تھا، جو متعدد آسمانی بشارتوں کا مورد و مصداق اور ہمّت و استقلال، بہادری و شجاعت اور رحمدلی و سخاوت کا مجسّمہ تھا، جو خاص خدائی بشارتوں کے تحت ایک نشانِ صداقت کے طور پر عالمِ وجود میں آیا، جس نے خدائی الہاموں کے مطابق خلافِ توقع عمر پائی اور ایک خاص مقصد کے خاطر قریباً ۶۷ سال زندہ رہا، جس نے مختلف النوع اور گوناگوں خدمات بجا لا کر خدمتِ دین اور خدمتِ سلسلہ کا ایک شاندار نمونہ قائم کر دکھایا، جس نے بادشاہی میں فقیری کا لباس پہننے کو ترجیح دی اور باموقع نرمی، خوش خلقی اور منکسر المزاجی کا شاندار مظاہرہ کر کے دلوں کو مسخّر کیا اور عند اللہ و عند الناس بلند مرتبہ و مقام رکھنے کے باوجود عام انسانوں کی طرح اِس دنیائے ناپائیدار میں اپنی حیاتِ مستعار کے دن پورے کئے —— ہماری مراد حضرت مسیحِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزندِ جلیل حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سانحۂ ارتحال سے ہے جو خدائی مشیّت کے تحت جماعتِ احمدیہ کے سترویں جلسۂ سالانہ کے پہلے روز یعنی ۲۶ دسمبر

۱۹۶۱ء کو صبح آٹھ بجے وقوع میں آیا اور جس کی وجہ سے دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مختلف ممالک اور مختلف سرزمینوں کی جماعتہائے احمدیہ میں غم واندوہ اور حزن وملال کی ایک لہر دوڑ گئی اور مشرق ومغرب کی ان جماعتوں کے جملہ افراد کیا مرد اور کیا عورت کیا بچے اور کیا بوڑھے سب ہی سراپا درد بن کر آپ کے درجات بلند ہونے اور قرب کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطا ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔

اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شعائر اللہ میں سے تھے اور بلاشبہ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی مبشر اولاد میں سے ہونے کے باعث "آیت اللہ" کا درجہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہونے والے آسمانی انوار و برکات کو قیامت تک دنیا کے کناروں تک پھیلانے والی "نسلِ سیّدہ" کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد قرار دیا تھا۔ اسی لئے حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے اپنی مبشر اولاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

مری اولاد سب تیری عطا ہے ❊ ہر اک تیری بشارت سے ہوا ہے
یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیّدہ ہے ❊ یہی ہیں پنج تن جن پر بناء ہے
یہ تیرا فضل ہے اے میرے ہادی ❊ فسبحان الذی اخزی الاعادی

پھر یہ امر بھی آپ کے بلند مرتبہ و مقام پر دال ہے کہ آپ سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان عظیم الشان دعاؤں کے مصداق تھے جو حضورؑ نے اپنی اولاد کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت درجہ عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ کیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف قبولیت کے شرف سے نوازا بلکہ اپنے الہامِ خاص سے حضور علیہ السلام کو ان دعاؤں کے عن قبول ہونے کی بشارت بھی پہلے ہی دیدی اسی لئے حضور علیہ السلام نے ان تمام دعاؤں کو اولاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہ کی آمین اور پھر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ، حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا کی آمین کے طور پر علی الترتیب ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۱ء میں دعائیہ اشعار کی شکل میں رقم فرما کر انہیں شائع فرما دیا تاکہ آئندہ آنے والوں کے لئے یہ دعائیں اور ان کی قبولیت عظیم الشان نشانِ صداقت کا کام دے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان دعاؤں کو خاص توجہ اور اشتیاق سے بار بار پڑھتے رہیں۔ کیونکہ ہم عملاً ان دعاؤں کی قبولیت کو اس زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کا بار بار مطالعہ اور یہ تکرار اعادہ ہمارے لئے ازدیادِ ایمان اور بے انتہا خیر و برکت کا موجب ہے۔ ان کا ایک حصہ ہم اعادہ اور یاد دہانی کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے خدائے قادر و قدوس کو مخاطب کر کے عرض کیا:-

مرے مولا مری یہ اک دعا ہے ❊ تری درگاہ میں عجز و بکا ہے

وہ دے مجھ کو جو اِس دل میں بھرا ہے ؎ زباں چلتی نہیں شرم و حیا ہے
مری اولاد جو تیری عطا ہے ؎ ہر اک کو دیکھ لوں وہ پارسا ہے
تری قدرت کے آگے روک کیا ہے ؎ وہ سب دے اُنکو جو مجھ کو دیا ہے
عجب محسن ہے تو بحر الایادی
فسبحان الّذی اخزی الاعادی

نجات ان کو عطا کر گندگی سے ؎ برات ان کو عطا کر بندگی سے
رہیں خوش حال اور فرخندگی سے ؎ بچانا اے خدا بد زندگی سے
وہ ہوں میری طرح دیں کے منادی ؎ فسبحان الّذی اخزی الاعادی
عیاں کر ان کی پیشانی پہ اقبال ؎ نہ آوے ان کے گھر تک رُعبِ دجّال
بچانا ان کو ہر غم سے بہر حال ؎ نہ ہوں وہ دُکھ میں اور رنجوں میں پامال
یہی امید ہے دل نے بتادی ؎ فسبحان الّذی اخزی الاعادی
دعا کرتا ہوں اے میرے یگانہ ؎ نہ آوے ان پہ رنجوں کا زمانہ
نہ چھوڑیں وہ ترا یہ آستانہ ؎ مرے مولیٰ انہیں ہر دم بچانا
یہی امید ہے اے میرے ہادی ؎ فسبحان الّذی اخزی الاعادی
نہ دیکھیں وہ زمانہ بےکسی کا ؎ مصیبت کا الم کا بے بسی کا
یہ ہوویں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا ؎ جب آوے وقت میری واپسی کا
بشارت تو نے پہلے سے سُنادی ؎ فسبحان الّذی اخزی الاعادی

ہر چند کہ اِن دعائیہ اشعار کا آخری شعر اِن عظیم الشان دعاؤں کی قبولیت پر شاہد ہے لیکن حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے صرف اتنے اشارہ پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسی نظم میں آگے چل کر صاف الفاظ میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن تمام دعاؤں کو شرفِ قبول سے نوازتے ہوئے آپ کو بار بار خبر دی ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور یقیناً ایسا ہی ہوگا کہ یہ سب مبشر اولاد ایسے ہی اوصافِ حمیدہ سے متصف ہو کر روشنی کا ایک عظیم الشان مینار ثابت ہوگی اور ایک دنیا ان کی روشنی سے فائدہ اٹھا کر راہِ راست پر آئے گی۔ چنانچہ اِن دعاؤں کے نتیجہ میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ ملنے والی بشارتوں کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

خدایا تیرے فضلوں کو کروں یاد ؎ بشارت تُو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد ؎ بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد

خبر مجھ کو یہ تُو نے بارہا دی ٭ فسبحان الّذی اخزی الاعادی

حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ عظیم الشان اور درد بھری عاجزانہ دعائیں اور ان کی قبولیت کے متعلق بار بار اور پیہم ملنے والی بشارتیں حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے **بلند مقام اور رفیع الشان** مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کیونکہ آپ حضرت امّ المومنین نوّر اللہ مرقدہا کے بطن مبارک سے پیدا ہونے والی اس مبشر اولاد کے ایک درخشندہ گوہر تھے جو مسیح پاک علیہ السلام کی ایسی عظیم الشان دعاؤں اور اُن کی قبولیت کے تعلق میں پیہم ملنے والی بشارتوں کی مصداق ہے۔ پس ایسے مقدس و مطہّر اور مؤیّد من اللہ وجود کا وصال کوئی معمولی سانحہ نہیں بلکہ وہ سانحۂ عظیم ہے کہ جس نے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک شمعِ احمدیت کے لاکھوں لاکھ پروانوں کو بجا طور پر بے چین و مضطرب بنا دیا ہے اور وہ نمناک آنکھوں اور محزون و غمناک قلوب کے ساتھ اپنے مولیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعائیں کر رہے ہیں کہ اے مولیٰ کریم تُو نے ایسے مقدس و مطہّر وجود کو جس کا بابرکت سایہ ہمیں طمانیتِ قلوب کی دولت سے مالا مال کرتا تھا اور جس کے طفیل ہم تیرے انوار و برکات سے مستفیض ہوتے تھے اپنی مشیّت کے تحت اپنے پاس واپس بُلا لیا ہے۔ اے ارحم الراحمین تُو اب اُس کی مقدس روح پر اپنی رحمتوں اور برکتوں، افضال و اکرام اور انوار و انعامات کی بارش نازل فرما، ہر آن اُس کے درجات بلند کر اور اعلیٰ علیین میں اسے اپنے خاص مقامِ قرب سے نواز۔ آمین اللّٰھم آمین۔

ہم اس سانحۂ عظیم پر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلّہ، حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلّہا، حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مدظلّہا، حضرت بیگم صاحبہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب مرحوم رض اور آپ کی جملہ اولاد نیز خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر افراد کی خدمت میں کمال ادب کے ساتھ دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرتے ہیں کہ جہاں وہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب مرحوم رض کے درجات بلند فرما کر آپ کو اپنے خاص مقام قرب سے نوازے وہاں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد اور جملہ افرادِ جماعت کو اس صدمہ عظیم کو صبر اور ہمّت و استقلال سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے ساتھ ہی ہم احبابِ جماعت کو ایک نہایت ہی اہم امر کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب مرحوم رض ایسے بلند مرتبت اور نادرِ روزگار وجودوں میں سے تھے جو کُل جہان اور اس میں بسنے والے تمام بنی نوعِ انسان کے لئے ایک سہارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اپنی خاص حکمت اور مشیّت کے ماتحت ایسے وجودوں کو جلد جلد پیدا نہیں کیا کرتا۔ ایسے عالی مقام اور مقدس وجود کا وصال ہمارے لئے ایک عظیم یاد دہانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ یاد دہانی یہ ہے کہ ہماری اہم ذمہ داریوں میں بڑی سرعت کے ساتھ اضافہ ہو رہا

ہے اور دن بدن اِس زمانہ میں خدمتِ اسلام کا فریضہ بجالانے کا سب بار اب براہِ راست ہمارے کندھوں پر پڑتا جارہا ہے اِس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فی الوقت ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا ہمارے کندھے اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ ہم یہ عظیم بار اٹھا کر اپنے بزرگ اسلاف کی تابندہ روایات کو زندہ و برقرار رکھ سکیں؟ ـــــ حضرت میاں صاحب مرحوم کا وصال ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک زبردست الارم کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہم سوچیں اور غور کریں بار بار سوچیں اور غور کریں کہ آیا ہم میں وہ عظیم روحانی تبدیلی پیدا ہو چکی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے حقیقی متبعین میں سے ہر ایک کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اِس وقت ہمارا پہلے سے کہیں بڑھ کر یہ فرض ہے کہ ہم اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کریں۔ ہر جہت اور ہر لحاظ سے بالکل پاک اور صاف اور کھرے ہو جائیں اور ہر قسم کی سستیاں، غفلتیں اور کمزوریاں دُور کرتے ہوئے خدمتِ دین کے لئے اِس طرح مستعد ہو جائیں جس طرح فوج کا ایک بہادر اور جانباز سپاہی میدانِ جنگ میں پوری طرح مستعد اور چوکس اور ہوشیار رہتا ہے۔ ہم نہ صرف یہ کہ خدمتِ دین کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیں بلکہ فرزانہ وار آگے بڑھ کر خدمت کے نئے سے نئے مواقع تلاش کریں اور ہر تحریک جو مرکز کی طرف سے کی جائے اُس پر دیوانہ وار لبیک کہکر اخلاص اور فدائیت کا وہ اعلیٰ نمونہ قائم کر دکھائیں کہ جو صحابہؓ کا طرّۂ امتیاز تھا۔ یہی وہ طریق ہے جس کی مدد سے ہم حضرت مرزا شریف احمد صاحب مرحومؓ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اُن صحابہؓ کے (جو منهم من قضى نحبه کے تحت آتے ہیں) انوار و برکات کے سلسلہ کو اُن کی وفات کے بعد بھی لمبے سے لمبا کر سکتے ہیں اور اِس طرح خدائی تائید و نصرت اور افضال و انعامات کے اہل قرار پا سکتے ہیں۔

اے خدا تُو ہمیں اپنی عظیم ذمہ داریوں کو سمجھنے اور کمال درجہ قربانی و ایثار سے کام لیتے ہوئے انہیں بااحسن وجوہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرما، تا ہمارے بزرگ اسلاف کے انوار و برکات کا سلسلہ ہم میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا جائے یہاں تک کہ اسلام ساری دنیا میں غالب آکر جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض اور اس کے مقصد کو بہ تمام و کمال پورا کر دے اور تا تیری بادشاہت اسی طرح زمین پر بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے قائم ہو جائے جس طرح کہ وہ آسمان میں ہے۔ اے خدا! اے ذوالمجد والعطاء تُو ایسا ہی کر۔ آمین اللّٰھم آمین ٭

الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"تیری ذرّیّت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔"

(اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء)

حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ

کے متعلق

حضرت مسیح موعودؑ کے کشوف و الہامات

۱۔ "اللہ جلّ شانہ نے بشارت دی اور فرمایا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ یعنی ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔" (انوار الاسلام مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

۲۔ "ہمیں خدا تعالیٰ نے ..... بشارت دی تھی کہ تجھے ایک لڑکا دیا جائے گا جیسا کہ ہم اسی رسالہ "انوار الاسلام" میں اس بشارت کو شائع بھی کر چکے ہیں سو الحمد للہ و المنّت کہ اس الہام کے مطابق ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شریف احمد رکھا گیا۔"

(ضیاء الحق صہ ۷۵)

۳۔ "جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس وقت عالم کشف میں آسمان پر ایک ستارہ دیکھا تھا جس پر لکھا تھا —— مُعَمَّرُ اللّٰہِ" (یعنی خدا کی طرف سے عمر پانے والا)

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء —— تذکرہ صہ ۲۷۵)

۴۔ "مُعَمَّرُ اللّٰہِ —— نُوْرٌ —— مُنَوَّرُ اللّٰہِ"

(یعنی اللہ کی طرف سے عمر دیا ہوا —— نور —— اللہ کا روشن کیا ہوا۔)

(مکتوبات پیر سراج الحق صاحب نعمانی صہ ۹۶ —— تذکرہ صہ ۸۰۰)

۵۔ "شریف احمد کی نسبت اس کی بیماری کی حالت میں الہامات ہوئے:۔

(۱) عَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّعِ

اس کو یعنی شریف احمد کو خدا تعالیٰ خلافِ توقع عمر دے گا ——

یہ الہام اس کی خطرناک بیماری کی حالت میں ہوا۔

(۲) اَمَّرَہُ اللّٰہُ عَلٰی خِلَافِ التَّوَقُّعِ

اس کو یعنی شریف احمد کو اللہ تعالیٰ خلافِ توقع امیر کرے گا۔

(۳) اَءَنْتِ لَا تَعْرِفِیْنَ الْقَدِیْرَ

کیا تو قادر کو نہیں پہچانتی (یہ اس کی والدہ کی نسبت الہام ہے)

(۴) مُرَادُکَ حَاصِلٌ

تیری مراد حاصل ہو جائے گی۔

(۵) اَللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

خدا سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱۹ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۷ء ——— تذکرہ ص۷۱۱)

۶۔ "شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اُس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کر کے کہا

وہ بادشاہ آیا

دوسرے نے کہا ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔

فرمایا:۔ قاضی حَکَم کو بھی کہتے ہیں۔ قاضی وہ ہے جو تائیدِ حق کرے اور باطل کو رد کرے۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء ص۳ ——— تذکرہ ص۶۸۶)

۷۔ "چند سال ہوئے ایک دفعہ ہم نے عالمِ کشف میں اِسی لڑکے شریف احمد کے متعلق کہا تھا کہ:۔

اب تُو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء ص۳ ——— (تذکرہ ص۶۸۷)

۸۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"ایک گھنٹہ ٹھہرا ہو گا ہم نے دیکھا والدہ محمود قرآن شریف آگے رکھے ہوئے پڑھتی ہیں۔ جب یہ آیت پڑھی:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا

اور اس میں اُولٰٓئِکَ پڑھا تو محمود سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر دوبارہ اُولٰٓئِکَ پڑھا تو بشیر آ کھڑا ہوا۔ پھر شریف آ گیا ——— پھر فرمایا جو پہلے ہے وہ پہلے ہے۔"

(تذکرۃ المہدی مصنفہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی حصہ دوم صہ ۳ ـــــ تذکرہ صہ ۷۹۵)

۹ - "طاعون کے دنوں میں جبکہ قادیان میں طاعون زور پر تھا، میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا، اور ایک سخت تپ محرقہ کے رنگ میں چڑھا جس سے لڑکا بالکل بیہوش ہوگیا، اور بیہوشی میں دونوں ہاتھ مارتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگرچہ انسان کو موت سے گریز نہیں مگر اگر لڑکا ان دنوں میں جو طاعون کا زور ہے فوت ہوگیا تو تمام دشمن اس تپ کو طاعون ٹھہرائیں گے اور خدا تعالیٰ کی اس پاک وحی کی تکذیب کریں گے کہ جو اس نے فرمایا ہے اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ یعنی میں ہر ایک کو جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہے طاعون سے بچاؤں گا۔ اس خیال سے میرے دل پر وہ صدمہ وارد ہوا کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ قریباً رات کے بارہ بجے کا وقت تھا کہ جب لڑکے کی حالت ابتر ہوگئی اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ یہ معمولی تپ نہیں یہ اور ہی بلا ہے تب میں کیا بیان کروں کہ میرے دل کی کیا حالت تھی۔ کہ خدا نخواستہ اگر لڑکا فوت ہوگیا تو ظالم طبع لوگوں کو حق پوشی کے لئے بہت کچھ سامان ہاتھ آجائے گا۔ اسی حالت میں میں نے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہوگیا۔ اور معاً کھڑا ہونے کے ساتھ ہی مجھے وہ حالت میسر آگئی جو استجابتِ دعا کے لئے ایک کھلی کھلی نشانی ہے۔ اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ابھی میں شاید تین رکعت پڑھ چکا تھا کہ میرے پر کشفی حالت طاری ہوگئی اور میں نے کشفی نظر سے دیکھا کہ لڑکا بالکل تندرست ہے۔ تب وہ کشفی حالت جاتی رہی اور میں نے دیکھا کہ لڑکا ہوش کے ساتھ چارپائی پر بیٹھا ہے اور پانی مانگتا ہے۔ اور میں چار رکعت پوری کرچکا تھا۔ فی الفور اس کو پانی دیا اور بدن پر ہاتھ لگا کر دیکھا کہ تپ کا نام و نشان نہیں اور ہذیان اور بے تابی اور بیہوشی بالکل دور ہوچکی تھی اور لڑکے کی حالت بالکل تندرستی کی تھی مجھے اس خدا کی قدرت کے نظارے نے الٰہی طاقتوں اور دعا قبول ہونے پر ایک تازہ ایمان بخشا۔"

(حقیقۃ الوحی صہ ۸۴ و ۸۵ حاشیہ ـــــ تذکرہ صہ ۴۹۲)

خدا کے نیک بندوں کی شناخت

"خدا کے نیک بندے قبولیتِ دعا سے شناخت کئے جاتے ہیں۔"

(تبلیغ رسالت جلد پنجم صہ ۱۱۲)

(کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام)

کوئی جماعت اُس وقت تک جماعت نہیں کہلا سکتی جب تک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہ دیں

تمہیں خدا نے ایک نئی برادری اور نئی اخوّت میں داخل کیا ھے

تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدّم کرو!

جس طرح سے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح سے کسی جماعت کے تمام افراد بھی برابر نہیں ہوتے بلکہ بعض مضبوط ایمان کے ہوتے ہیں اور اعمال کے لحاظ سے بلند مقام رکھتے ہیں لیکن بعض کمزور درجہ کے بھی ہوتے ہیں۔ درج ذیل ملفوظات میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ کمزوروں سے سچی ہمدردی کرنا اور اُن سے محبت سے پیش آنا ضروری ہے تاکہ جماعت من حیث الجماعت ان فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے جو اُس پر عاید ہوتی ہیں۔ (ادارہ)

"اصل بات یہ ہے کہ اندرونی طور پر ساری جماعت ایک درجہ پر نہیں ہوتی۔ کیا ساری گندم تخم ریزی سے ایک ہی طرح نکل آتی ہے؟ بہت سے دانے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو چڑیاں کھا جاتی ہیں اور بعض کسی اور طرح قابل ثمر نہیں رہتے۔ غرض اُن میں سے جو ہونہار ہوتے ہیں اُن کو کوئی ضائع نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ کے لئے جو جماعت تیار ہوتی ہے وہ بھی کنذرع ہوتی ہے اسی لئے اِس اصول پر اُس کی ترقی ضروری ہے۔ پس یہ دستور ہونا چاہیئے کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جاوے اور اُن کو طاقت دی جاوے۔ یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ دو بھائی ہیں ایک تیرنا جانتا ہے اور دوسرا نہیں تو کیا پہلے کا یہ فرض ہونا چاہیئے

کہ وہ دوسرے کو ڈوبنے سے بچائے یا اُسے ڈوبنے دے؟ اُس کا فرض ہے کہ اُس کو غرق ہونے سے بچالے۔ اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کمزور بھائیوں کا بار اُٹھاؤ۔ عملی، ایمانی اور مالی کمزوریوں میں بھی شریک ہو جاؤ۔ بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔ کوئی جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جب تک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہیں دیتے اور اس کی یہی صورت ہے کہ ان کی پردہ پوشی کی جاوے صحابہؓ کو یہی تعلیم ہوئی کہ نئے مسلموں کی کمزوریاں دیکھ کر نہ چڑو کیونکہ تم بھی ایسے ہی کمزور تھے۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے اور محبت اور ملائمت کے ساتھ برتاؤ کرے۔ دیکھو وہ جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جو ایک دوسرے کو کھائے اور جب چار مل کر بیٹھیں تو اپنے ایک غریب بھائی کا گلہ کریں اور نکتہ چینیاں کرتے رہیں اور کمزوروں اور غریبوں کی حقارت کریں اور ان کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایسا ہرگز نہیں چاہیئے بلکہ اجماع میں چاہیئے کہ قوت آجائے اور وحدت پیدا ہو جائے جس سے محبت اُبھر آتی ہے اور برکات پیدا ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف لوگ جو ہماری ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھتے ہیں معمولی باتوں کو اخباروں میں بہت بڑی بنا کر پیش کر دیتے ہیں اور خلق کو گمراہ کرتے ہیں لیکن اگر اندرونی کمزوریاں نہ ہوں تو کیوں کسی کو جرأت ہو کہ اس قسم کے مضامین شائع کرے اور ایسی خبروں کی اشاعت سے لوگوں کو دھوکا دے۔ کیوں نہیں کیا جاتا کہ اخلاقی قوتوں کو وسیع کیا جاوے اور یہ تب ہوتا ہے کہ جب ہمدردی، محبت اور عفو اور کرم کو عام کیا جاوے اور تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کر لیا جاوے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں جو دل شکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں۔ یہاں مدرسہ ہے، مطبع ہے مگر کیا اصل اغراض ہمارے یہی ہیں یا اصل امور اور مقاصد کے لئے بطور خادم ہیں؟ کیا ہماری غرض اتنی ہی ہے کہ یہ لڑکے پڑھ کر نوکریاں کریں یا کتابیں بیچتے رہیں، یہ تو سفلی امور ہیں ان سے ہمیں کیا تعلق! یہ بالکل ابتدائی امور ہیں۔ اگر مدرسہ چلتا رہے تب بھی بنظر ظاہر بیس برس تک بھی یہ اُس حالت تک نہیں پہنچ سکتا جو اس وقت علیگڑھ کالج کی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک دم میں اسے علی گڑھ کالج سے بھی بڑا بنا دے مگر ہماری ساری طاقتیں اور قوتیں اسی ایک امر میں خرچ ہو جانی ضروری نہیں ہیں۔

ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جب تک، وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں جس کو پوری طاقت دی گئی ہے وہ کمزور سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اُس کے لئے دعا کرے، محبت کرے اور اُسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے مگر بجائے اس کے کینہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر عفو نہ کیا جاوے، ہمدردی نہ کی جاوے اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی

کر کے پردہ پوشی کی جاوے۔ جب یہ حالت پیدا ہو تب ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور اپنے تئیں حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک شخص کا بیٹا ہو اور اس سے کوئی قصور سرزد ہو تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ سمجھا جاتا ہے۔ بھائی کی پردہ پوشی کی جاتی ہے کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب خدا تعالیٰ بھائی بناتا ہے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں؟ دُنیا کے بھائی اخوت کا طریق نہیں چھوڑتے۔ مَیں مرزا نظام الدین وغیرہ کو دیکھتا ہوں کہ اُن کی اباحت کی زندگی ہے مگر جب کوئی معاملہ ہو تو تینوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ فقیری بھی الگ رہ جاتی ہے۔ بعض وقت انسان جانور بندر یا کُتے سے بھی سیکھ لیتا ہے۔ یہ طریق نامبارک ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کو بھی یہی طریق و نعمتِ اخوت یاد دلائی ہے۔ اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کرتے تو وہ اخوت اُن کو نہ ملتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اُن کو ملی۔ اسی طرح یہ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں قائم کرے گا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بہت بڑی امیدیں ہیں۔ اُس نے وعدہ کیا ہے جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلا کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں ہر ایک شخص کو موقعہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسرے کا شکوہ کرنا، دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کر کے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔

اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے۔ پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے جس میں امیر، غریب، بچے، جوان، بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں۔ ان کو فقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں۔ گو باپ جُدا جُدا ہوں مگر آخر تم سب کا روحانی باپ ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء بحوالہ ملفوظات جلد سوم)

"فضولیاں اور جھوٹ بولنا مُردار خواروں کا کام ہے۔"

(تبلیغ رسالت جلد پنجم صفحہ ۹۲)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عربی کلام

فضائلِ قرآن مجید

وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْقُرْاٰنُ فَيْضًا — خَفِيْرٌ جَالِبٌ نَحْوَ الْجِنَانِ

اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ قرآن فیض کی رُو سے کیا مقام رکھتا ہے، وہ ایک رہبر ہے جو جنّت کی طرف لے جاتا ہے۔

لَهٗ نُوْرَانِ نُوْرٌ مِّنْ عُلُوْمٍ — وَنُوْرٌ مِّنْ بَيَانٍ كَالْجُمَانِ

اس میں دو نُور ہیں ایک تو علوم کا نور اور دوسرے فصاحت و بلاغت کا نور جو دانۂ نقرہ کی طرح چمکتا ہے۔

كَلَامٌ فَائِقٌ مَا رَاقَ طَرْفِيْ — جَمَالٌ بَعْدَهٗ وَالنَّيِّرَانِ

وہ ایک ایسا کلام ہے جو ہر ایک کلام سے فوقیت لے گیا ہے اور اسکے بعد مجھے کوئی جمال اچھا معلوم نہ ہوا اور سورج اور چاند بھی نہ بھائے۔

اَيَاةُ الشَّمْسِ عِنْدَ سَنَاهُ دُخْنٌ — وَمَا لِلَّعْلِ وَالسِّبْتِ الْيَمَانِيْ

آفتاب کی روشنی اس کی چمک کے سامنے ایک دھواں سا معلوم ہوتی ہے اور لعل سے سُرخ چمڑے کو کیا نسبت خواہ وہ ملک یمن میں تیار شدہ ہو۔

وَاَيْنَ يَكُوْنُ لِلْقُرْاٰنِ مِثْلٌ — وَلَيْسَ لَهٗ بِهٰذَا الْفَضْلِ ثَانِيْ

اور قرآن مجید جیسی اور کوئی کتاب کیونکر ہو — جب کہ وہ اپنے فضائل میں بے مثل ہے۔

وَرِثْنَا الصُّحُفَ فَاقَتْ كُلَّ كُتُبٍ — وَسَبَقَتْ كُلَّ اَسْفَارٍ بِشَانٍ

ہم اس کتاب کے وارث ہوئے ہیں جو سب کتابوں پر فائق ہے۔ وہ ایسی کتاب ہے جو اپنے کمالات میں تمام کتابوں پر سبقت لے گئی ہے

اِذَا اسْتَدْعٰى كِتَابُ اللّٰهِ مِثْلًا — فَعَيَّ الْقَوْمُ وَاسْتَتَرُوْا كَفَانِيْ

جب کتاب اللہ نے اپنی مثل کا مطالبہ کیا تو قوم مقابلہ سے عاجز آگئی اور فنا شدہ چیز کی طرح چھپ گئی۔

(نور الحق صـ ۶۵-۶۶)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی کلام

خدا کو پانے کا طریق

نفسِ خود را پاک کن از ہر فضول　　ترکِ خود کن تا کند رحمت نزول

اے انسان! تو اپنے نفس کو ہر فضول اور غیر ضروری چیز سے پاک کر اور بے نفسی اختیار کر تا کہ خدا کی رحمت تجھ پر نازل ہو

لیک ترکِ نفس کے آساں بود　　مُردن و از خود شدن یکساں بود

لیکن یاد رہے نفس کو ترک کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مرنا اور نفس کو مارنا دونوں برابر ہیں۔

ایں چنیں دل کم بود در سینۂ　　کاں بود پاک از غرور و کینۂ

ایسا دل شاذ و نادر ہی کسی سینے میں ہوتا ہے جو غرور اور کینہ سے بکلّی پاک اور صاف ہو۔

در حقیقت مردمِ معنیٰ کم اند　　گو ہمہ از روئے صورت مردم اند

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں حقیقت شناس لوگ بہت کم ہیں اگرچہ شکل و صورت کے اعتبار سے سب آدمی ایک جیسے ہی ہیں

ہوش کن اے در چہے افتادۂ　　عقل و دیں از دستِ خود در دادۂ

اے وہ انسان جو کنوئیں میں پڑا ہوا ہے اور عقل اور دین دونوں کو کھو بیٹھا ہے ہوش میں آ اور خبردار ہو۔

غیر محدودے بمحدودے مجو!　　کارِ نورِ محض از دودے مجو!

وہ خدا جو غیر محدود ہے اُسے اپنی محدود عقل سے تلاش نہ کر اور مصفّٰی نور کا کام دھوئیں سے نہ لے۔

آنچہ باید جُست با عجز و نیاز　　تو مجو با کبر و خود بینی و ناز!

جو بات کہ عجز و نیاز سے ڈھونڈنی چاہیئے اُسے تکبر اور خود بینی اور فخر کے ساتھ مت ڈھونڈ!

(براہین احمدیہ حصّہ سوم حاشیہ صفحہ ۱۶۳)

مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ کی تشکیل نو

۱۹۶۲ء کے دوران مندرجہ ذیل اصحاب مجلس عاملہ مرکزیہ کے رکن ہوں گے۔ عہدہ داران مجالس و اراکین ان سے تعاون فرمائیں:-

اراکین خصوصی

(۱) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے مدظلہ العالی

(۲) محترم صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے

(۳) محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

(۴) محترم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

اراکین عمومی

(۱) محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب	نائب صدر
(۲) مکرم شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے	قائد عمومی
(۳) محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس	قائد تربیت
(۴) محترم مولانا ابو العطاء صاحب	قائد اصلاح و ارشاد
(۵) مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب	قائد مال
(۶) محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب	قائد ذہانت و صحت جسمانی
(۷) محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب	قائد خدمت خلق
(۸) مکرم محمد ابراہیم صاحب ناصر ایم۔اے	قائد تجنید
(۹) مکرم حبیب اللہ خان صاحب ایم۔ایس سی	قائد تعلیم
(۱۰) مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی	قائد اشاعت
(۱۱) مکرم صوفی غلام محمد صاحب بی۔ایس سی	آڈیٹر

(صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

توبہ اور اس کی سات شرائط

(رقم فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

ذیل میں ہم سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ایک قیمتی مضمون درج کر رہے ہیں جس میں حضور نے توبہ کی حقیقت اور اس کی شرائط کو بیان کیا ہے۔ توبہ درحقیقت اُسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جبکہ اُس کی جملہ شرائط کو مدنظر رکھا جائے ورنہ صرف مُنہ سے توبہ کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ آیت وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (الفرقان) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی مغفرت کے لئے توبہ پر زور دیا ہے اور ایمان اور عمل صالح کا حصول اِس کے بغیر ناممکن قرار دیا ہے مگر دنیا میں بہت لوگ ہیں جو توبہ کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ صرف مُنہ سے یہ کہہ دینے سے کہ "میری توبہ" توبہ مکمل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس کے لئے سات امور کا ہونا ضروری ہے اور جبتک وہ سارے کے سارے موجود نہ ہوں اس وقت تک توبہ کبھی بھی صحیح معنوں میں توبہ نہیں کہلا سکتی۔

چنانچہ توبہ کے لئے **پہلی شرط** تو یہ ہے کہ انسان اپنے گزشتہ گناہوں کو یاد کرکے اور ان کو اپنے سامنے لاکر اِس قدر نادم ہو کہ گویا پسینہ پسینہ ہو جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پچھلے فرائض جس قدر رہ چکے ہیں اُن میں سے جن کو ادا کیا جا سکے اُن کو ادا کرنے کی کوشش کرے مثلاً اگر صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود اُس نے حج نہیں کیا تھا تو اب حج کرے یا اگر زکوٰۃ نہیں دی تھی تو ساری عمر کو جانے دے اُسی سال کی زکوٰۃ دیدے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ پچھلے گناہوں میں سے جن کا ازالہ ممکن ہو اُن کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے مثلاً اگر کسی کی بھینس چُرا کر اُس نے اپنے گھر رکھی ہوئی ہو تو اُسے واپس کر دے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی دُکھ پہنچایا ہو اُس کے دُکھ کا ازالہ کرنے کے علاوہ اُس سے معافی طلب کرے۔ یہ ایک باریک روحانی مسئلہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے بندوں کے گناہوں کی معافی کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ اُن کے متعلق بندوں سے ہی معافی طلب کی جائے اور اگر وہ معاف کر دیں تو پھر خدا تعالیٰ اُن کا مؤاخذہ نہیں کرتا۔

شبلیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ خلافتِ عباسیہ کے دَور میں کسی علاقہ کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ وہ کسی کام کے سلسلہ میں بادشاہ سے مشورہ کرنے کے لئے بغداد آئے۔ انہی دنوں ایک بہت بڑا جرنیل ایران کی مہم میں

کامیابی حاصل کر کے واپس آیا اور بادشاہ نے اس کے اعزاز میں دربار منعقد کیا اور فیصلہ کیا کہ بھرے دربار میں اُسے خلعتِ فاخرہ دی جائے اور اُس کی عزّت افزائی کی جائے۔ اتفاق سے اُس روز اُسے نزلہ کی شکایت تھی، جب اُسے خلعت دیا گیا اور دربار میں چاروں طرف سے اُس پر پھول برسائے جانے لگے تو اُسے چھینک آگئی اور ناک سے پانی بہہ پڑا۔ اُس نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا مگر رومال موجود نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر اُس نے گھبراہٹ میں اُسی خلعت سے اپنی ناک پونچھ لی۔ بادشاہ نے اُسے دیکھ لیا اور اُس نے سخت غضبناک ہو کر حکم دیا کہ اِس شخص نے ہمارے خلعت کی ناقدری کی ہے ——— اس کا خلعت اُتار لو اور اِسے دربار سے نکال دو۔ چنانچہ اُس کا خلعت اُتار لیا گیا اور اُسے ذلّت کے ساتھ دربار سے نکال دیا گیا۔

شبلیؒ جو یہ تمام نظارہ دیکھ رہے تھے یکدم اُن کی چیخ نکلی اور انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ رونے کا کونسا مقام ہے۔ ناراض تو مَیں جرنیل پر ہؤا ہوں تم خواہ مخواہ کیوں روتے ہو؟ وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے حضور میرا استعفیٰ منظور فرمائیں۔ بادشاہ نے پھر کہا یہ استعفیٰ کا کونسا موقعہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ شخص آج سے دو سال پہلے ایک خطرناک مہم پر روانہ کیا گیا تھا۔ یہ رات اور دن دشمن کے مقابلہ میں رہا۔ ہر روز موت اس کے سر پر منڈلاتی تھی اور ہر رات اس کی بیوی بیوگی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے سوتی تھی۔ یہ گھر سے بے گھر، وطن سے بے وطن رہا، جنگلوں میں دھکے کھاتا رہا، مصائب و آلام برداشت کرتا رہا اور آخر فتحیاب ہو کر واپس آیا۔ آپ نے اس کی آمد کی خوشی میں یہ دربار منعقد کیا اور اُسے چند گز کپڑا خلعت کے طور پر عطا فرمایا مگر صرف اِس لئے کہ اُس نے اُس خلعت سے اپنی ناک پونچھ لی آپ اتنے غضبناک ہوئے کہ آپ نے اُسے دربار سے باہر نکال دیا اور اُس کا خلعت چھین لیا۔ مَیں اِس نظارہ کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ جب چند گز کپڑے کی آپ ہتک برداشت نہیں کر سکے تو میرا خدا جس نے مجھے کروڑوں نعمتیں عطا فرمائی ہوئی ہیں اور جس کی نعمتوں کی مَیں روزانہ ہتک کرتا ہوں وہ قیامت کے دن مجھ سے کیا سلوک کرے گا۔ مَیں اب اِس ملازمت سے باز آیا میرا استعفیٰ قبول کیجئے مَیں اب اپنی بقیہ عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہی بسر کروں گا۔

چنانچہ وہ استعفیٰ دیکر چلے گئے اور پھر اپنے گناہوں کی معافی کے لئے مختلف بزرگوں کے پاس گئے۔ مگر وہ اتنے ظالم مشہور تھے کہ کسی نے اُن کی بیعت لینے کی جرأت نہ کی۔ آخر وہ حضرت جنیدؒ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے فرمایا تمہاری توبہ قبول ہو سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ پہلے تم اُس شہر میں واپس جاؤ جہاں تم گورنر رہے تھے اور ایک ایک دروازہ پر پہنچ کر لوگوں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور جب سب لوگوں سے معافی لے چکو تو پھر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ وہ اُس علاقہ میں گئے اور انہوں نے گھر گھر پھر کر لوگوں سے معافیاں لینی شروع کیں۔ پہلے تو لوگ سمجھے کہ یہ رسمی طور پر معافی مانگ رہے ہیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شبلیؒ معافی بھی مانگتے ہیں اور اپنے

گناہوں پر ندامت کے آنسو بھی بہاتے ہیں تو انہوں نے سمجھ لیا کہ آج اس شخص کے دل پر بھی خدائے رحمٰن کی حکومت ہو گئی ہے۔ چنانچہ پھر تو یہ کیفیت ہوئی کہ جب وہ معافی مانگتے تو لوگ کہتے آپ ہمیں کیوں شرمندہ کرتے ہیں آپ تو ہمارے قابلِ احترام بزرگ ہیں۔ غرض اس طرح انہوں نے گھر گھر پھر کر معافی حاصل کی اور پھر وہ حضرت جنیدؒ کے پاس آئے۔ حضرت جنیدؒ نے جب دیکھا کہ انہوں نے سچے طور پر توبہ کر لی ہے تو انہوں نے اُس کی بیعت قبول کی اور پھر اُن کی تربیت میں انہوں نے اتنی بڑی ترقی کی کہ آج شبلیؒ بھی اولیائے اُمت میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

پس توبہ کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کو کوئی دُکھ پہنچایا ہو اور اُن کی رضامندی حاصل کرنا ممکن ہو اُن سے معافی طلب کی جائے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ بڑا ستّار ہے وہ انسان کی بڑی بڑی بُرائیوں پر پردہ ڈالے رکھتا ہے اس لئے انسان کو چاہیئے کہ اپنی ستّاری آپ بھی کرے اور وہ گناہ جن کو خدا تعالیٰ نے چھپا رکھا ہو اُن کو خود ظاہر نہ کرے مثلاً کسی کی چوری کی ہو تو اُسے یہ نہیں چاہیئے کہ خود جا کر اُسے بتلائے کہ مَیں نے تمہاری چوری کی تھی۔ ایسا کرنا بجائے خود گناہ ہوگا۔ ہاں بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ کسی کو گالی دیتا ہے یا کسی کو پیٹنے لگ جاتا ہے تو اِس کا اَوروں کو بھی علم ہوتا ہے ایسے گناہوں کا ازالہ کرنا چاہیئے اور جن لوگوں کو دُکھ پہنچایا گیا ہو اُن سے معافی طلب کرنی چاہیئے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کو اُس نے نقصان پہنچایا ہو اُن سے مقدور بھر احسان کرے اور اگر کچھ نہیں کر سکتا تو اُن کے لئے دُعا ہی کرے۔ اولیائے کرام نے بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کا مال ناجائز طور پر لیا ہو اور اُس کے ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرے کہ الٰہی مجھے تو اس کا مال دینے کی طاقت نہیں تو اپنے پاس سے ہی اُسے دیدے اور اِس کمی کو پورا فرما دے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرے اور فیصلہ کرے کہ اب مَیں کوئی گناہ نہیں کروں گا۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو نیکی کی طرف رغبت دلانا شروع کر دے اور اپنے دل کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرے تاکہ آئندہ ہر قسم کے نیک کاموں میں وہ دلی شوق سے حصّہ لے سکے۔

یہ سات باتیں توبہ کے لئے ضروری ہیں۔ جب تک یہ تمام شرائط نہ پائی جائیں توبہ مکمل نہیں کہلا سکتی۔"

(تفسیر کبیر جلد پنجم حصّہ دوم ص۱۶۵ تا ۱۶۷)

ذکرِ الٰہی اور اُس کے فضائل

(۲)

(مکرم جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا)

دسمبر ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں مکرم جناب مرزا عبدالحق صاحب کا ایک مضمون "ذکرِ الٰہی اور اس کے اقسام" کے زیرِ عنوان شائع ہوا تھا۔ ذیل کا مضمون اسی مضمون کی دوسری قسط ہے۔ اس میں آپ نے قرآن مجید، احادیث نبویؐ اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روشنی میں ذکرِ الٰہی کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ (ادارہ)

نماز کے فضائل

ذکرِ الٰہی کی اس تشریح اور اس کے مختلف اقسام کے بعد اب میں اس کے فضائل بیان کرتا ہوں۔ جیسا کہ اُوپر آ چکا ہے سب سے بڑا ذکر نماز ہے۔ نماز کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (عنکبوت آیت ۴۶) نماز یقیناً روکتی ہے یا بچاتی ہے کھُلی بے حیائیوں اور ہر ناپسندیدہ فعل سے۔ گویا نماز کا نتیجہ پاکیزگیٔ افعال بیان فرمایا ہے۔

نماز کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ یعنی نماز مومن کی انتہائی ترقیات کا ذریعہ ہے۔ نفلی نمازوں میں سے ایک تہجد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا (المزمل آیت ۷) کہ رات کا اُٹھنا نفس کے کچلنے کے لئے سب سے بہتر نسخہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز بہت لمبی پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں سُوج جاتے تھے۔ آپؐ اس میں قرآن شریف بہت پڑھتے اور دُعائیں بہت کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے متعلق حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا لا تسئل عن حُسنھنّ وطولھنّ یعنی یہ نہ پوچھ کہ وہ کتنی خوبصورت ہوتی تھیں اور کتنی لمبی۔

نماز اگر صحیح طور پر ادا کی جائے تو گویا عاجز بندے کو خدا کے حضور میں لے جا کر کھڑا کر دیتی ہے اور وہ اُس وقت اپنے رب کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اسی اعلیٰ حالت کا نقشہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:- ان تعبد اللّٰہ کانّک تراہ فان لم تکن تراہ فانّہٗ یراک (بخاری باب الایمان۔ احسان کی تشریح کے طور پر)

یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اِس رنگ میں کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے ۔ اگر تُو ایسا نہ کر سکے تو کم از کم یہ کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے۔ نماز درحقیقت نام ہے محبّت سے بھری ہوئی یادِ الٰہی کا۔

نماز کی حقیقت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"نماز کیا ہے، ایک دُعا جو درد سوزش اور حرقت کے ساتھ خدا تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہے تاکہ یہ بدخیالات اور بُرے ارادے دفع ہو جاویں اور پاک محبت اور پاک تعلق حاصل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے احکام کے ماتحت چلنا نصیب ہو ...... پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق تھا کہ مشکلات کے وقت میں وضوء کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے اور نماز میں دُعا کرتے تھے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ نماز سے زیادہ خدا کے قریب کرنے والی کوئی چیز نہیں .... انسان کو چاہیئے کہ مشکل، دُکھ یا مصیبت کے وقت وضوء کر کے خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو جاوے اور دُعا کرے وہ درحقیقت انسان کی آواز کو سُنتا ہے اور وہ حلیم ہے اور علیم ہے اور حکیم ہے۔ کوئی اس کے سوا یار اور مددگار نہیں ..... مومن وہ ہے جو سب سے اوّل خدا کا خیال اپنے دل میں لاوے اور اُس پر یقین اور توکّل کو کامل رکھے اور اس کے ماتحت اسباب کی تدبیر کرے۔"

سورۂ مومنون رکوع اوّل میں خدا تعالیٰ انسانی ترقیات کا آخری درجہ اِن الفاظ میں بیان فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یعنی چھٹے درجہ کے مومن جو پانچویں درجہ سے بڑھ گئے ہیں وہ ہیں جو اپنی نمازوں پر آپ محافظ اور نگہبان ہیں یعنی وہ کسی دوسرے کی تذکیر یا یاددہانی کے محتاج نہیں رہے بلکہ کچھ ایسا تعلق ان کو خدا سے پیدا ہو گیا ہے اور خدا کی یاد کچھ اس قسم کی محبوبِ طبع اور مدارِ زندگی ان کے لئے ہو گئی ہے کہ وہ ہر وقت اسی کی نگہبانی میں لگے رہتے ہیں۔ اور ہر دم ان کا یادِ الٰہی میں گزرتا ہے اور نہیں چاہتے کہ ایک دم بھی خدا کے ذکر سے الگ ہوں.... وہ خدا جس نے جسمانی طور پر انسان کی زندگی روٹی اور پانی پر موقوف رکھی ہے وہ ان کی روحانی زندگی کو جس سے وہ پیار کرتے ہیں اپنی یاد کی غذا سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ اُس روٹی اور پانی کو جسمانی روٹی اور پانی سے زیادہ چاہتے ہیں اور اس کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں اور یہ اس روح کا اثر ہوتا ہے جو شعلہ کی طرح ان میں ڈالی جاتی ہے جس سے عشقِ الٰہی کی کامل مستی ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ یادِ الٰہی سے ایک دم علیحدہ ہونا نہیں چاہتے ۔ وہ اس کے لئے دُکھ

اٹھاتے اور مصائب دیکھتے ہیں مگر اس سے ایک لحظہ بھی جُدا ہونا نہیں چاہتے اور پاسِ انفاس کرتے ہیں اور اپنی نمازوں کے محافظ اور نگہبان رہتے ہیں اور یہ امر ان کے لئے طبعی ہے کیونکہ درحقیقت خدا نے اپنی محبت سے بھری ہوئی یاد کو جس کو دوسرے لفظوں میں نماز کہتے ہیں ان کے لئے ایک ضروری غذا مقرر کر دیا ہے اور اپنی محبت ذاتیہ سے ان پر تجلی فرما کر یادِ الٰہی کی ایک دلکش لذت ان کو عطا کی ہے۔ پس اس وجہ سے یادِ الٰہی جان کی طرح بلکہ جان سے بڑھ کر ان کو عزیز ہو گئی ہے اور خدا کی ذاتی محبت ایک نئی رُوح ہے جو شعلہ کی طرح ان کے دلوں پر پڑتی اور ان کی نماز اور یادِ الٰہی کو ایک غذا کی طرح ان کے لئے بنا دیتی ہے۔ پس وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کی زندگی روٹی اور پانی سے نہیں بلکہ وہ نماز اور یادِ الٰہی سے جیتے ہیں اور درحقیقت اس مرتبہ پر انسان کے لئے محبت سے بھری ہوئی یادِ الٰہی جس کا شرعی اصطلاح میں نماز نام ہے غذا کے قائم مقام ہو جاتی ہے بلکہ وہ بار بار جسمانی رُوح کو بھی اس غذا پر فدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور خدا سے علیحدہ ایک دم بھی وہ بسر کرنا اپنی موت سمجھتا ہے اور اس کی روح آستانۂ الٰہی پر ہر وقت سجدہ میں رہتی ہے اور تمام آرام اس کا خدا میں ہی ہو جاتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ میں اگر ایک طرفۃ العین بھی یادِ الٰہی سے الگ ہوا تو بس میں مرا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

نماز کے نوافل بھی ہوتے ہیں جو اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں جو فرض نمازوں میں رہ گئی ہو۔ نوافل کے متعلق رسول کریمؐ فرماتے ہیں:- لایزال عبدی یتقرّب اِلَیَّ بالنّوافلِ حتّٰی اکونُ سمعہُ الّذی یسمع بہٖ و بصرہ الّذی یبصر بہٖ و یدیہ الّذی یبطش بہٖ و رجلیہ الّذی یمشی بہٖ
یعنی میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ مَیں اُس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے اور اُس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ گویا اُس کی رضا مندی کے خلاف نہیں ہوتا۔ کیا عظیم الشان نتیجہ ہے جو نماز اور اس کے نوافل سے پیدا ہوتا ہے۔ فالحمد للہ ربّ العٰلمین۔

قرآن کریم کی فضیلت بطور ذکرِ الٰہی

جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کی صفات کا تفصیلی ذکر ہے۔ انبیاء کے واقعات بیان کر کے اُن صفات کے ظہور کا ذکر ہے اور یہ کہ کس کس طرح وہ عاجز بندوں کی دستگیری کرتی رہی ہیں۔ صفاتِ الٰہی سے استفادہ کے طریق بھی بتائے گئے ہیں۔ الغرض قرآن کیا ہے خدا نمائی کا آئینہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات

اس میں سمندر کی طرح جاری نظر آتی ہیں اور زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ پر اللہ تعالیٰ کا تصرف اور قبضہ ظاہر ہوتا ہے ہر شخص جو اپنی تمام میل کو اتارنا چاہتا ہے اور کامل پاکیزگی کا خواہاں ہے اس کے لئے یہ ذکر اللہ موقعہ دیتا ہے کہ وہ اس میں غوطہ زن ہو کر اپنی میل کو اتار لے اور خدا کی محبت سے مالا مال ہو کر اس میں سے نکلے۔ خدا تعالیٰ کا یہ کلام تمام برکتوں کا جامع ہے اور ہر قسم کی خیر و خوبی انسان کے اندر پیدا کرتا ہے اسی لئے اس کو پڑھنے، اس پر غور و تدبر کرنے اور اسے دوسروں کو پڑھ کر سنانے کی تاکید ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن کریم کے افادہ کے متعلق فرماتے ہیں:-

"حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو، ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا الخیر کلّہٗ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سر چشمہ قرآن میں ہے ..... پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی ہے۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے، یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی ..... قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے اگر صوری یا معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بھاگو۔" (کشتی نوح)

عمومی ذکر الٰہی اور اس کے فضائل

یہ فضائل تو میں نے نماز اور قرآن کے ذکر کے بیان کئے ہیں۔ اب عمومی طور پر جو ذکر کے فضائل قرآن کریم سے معلوم ہوتے ہیں ان کو بیان کرتا ہوں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (عنکبوت آیت ۴۶) یعنی اللہ کا ذکر یقیناً سب کاموں سے بڑا ہے۔ یہ آیت خصوصیت سے تو تلاوت قرآن کریم اور نماز کے متعلق ہے۔ جن دونوں کا ذکر اس سے معاً پہلے ہے۔ پوری آیت ہے اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ لیکن اس خصوصیت کے علاوہ ولذکر اللّٰہ اکبر میں عمومی طور پر بھی ذکر اللہ کی فضیلت بلکہ افضلیت بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور کسی عمل کے لئے اکبر کا لفظ استعمال نہیں فرمایا صرف ذکر اللہ کے لئے اکبر

فرمایا ہے۔ نماز اور قرآن کریم کا تو اُوپر ذکر آچکا ہے۔ روزہ بھی بغیر ذکر الٰہی کے ایک جسم بغیر روح کے ہے۔ یہی حال حج کا ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے انسانی اعمال کا سب سے بڑا اجر اپنی رضامندی کو قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (توبہ آیت ۷۲) کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ جنّت کا وعدہ فرمایا ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیش آرام اور راحت میں رہیں گے لیکن اصل میں سب سے بڑی چیز جو بطور اجر انسان کو دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے جس کا ملنا بہت بڑی کامیابی ہے۔

اِسی طرح اس کی ناراضگی سب سے بڑھ کر عذاب ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (مومن آیت ۱۱) اس وقت اُن کو پکار کر بتایا جائے گا کہ اللہ کی ناراضگی سب سے بڑی چیز ہے۔

ایک طرف ایک عمل یعنی ذکرِ الٰہی کے لئے اکبر کا لفظ بولنا اور دوسری طرف ایک اجر یعنی رضوانِ الٰہی کیلئے اکبر کا لفظ استعمال کرنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ذکر الٰہی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، اس کے بغیر نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اَلَا اُنبّئكم بخير اعمالكم وازكاها عند مليككم وارفعها فى درجاتكم وخير لكم من انفاق الذهب والفضّة وخير لكم من ان تلقوا عدوّكم فتضربوا اعناقهم ويضربون اعناقكم قالوا بلىٰ قال ذكر الله تعالىٰ (ترمذی) کیا میں تمہیں بہترین عمل کی خبر دوں جو تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ ہے اور سب سے بڑا درجہ رکھتا ہے اور جو بہتر ہے تمہارے لئے سونے اور چاندی کے خرچ کرنے سے بھی اور بہتر ہے تمہارے لئے اِس بات سے بھی کہ تم دشمن کا مقابلہ کرو۔ تم ان کی گردنیں اُڑاؤ اور وہ تمہاری اُڑائیں۔ صحابہ نے عرض کیا فرمائیے یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ آپ نے یہ اِس وجہ سے فرمایا کہ دین درحقیقت تمام اعمال کی ترغیب کا باعث بنتا ہے۔

اِسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس مجلس میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو اُس کے اردگرد فرشتے اکھٹے ہو جاتے ہیں (حفّتهم الملٰئكة) اور اللہ کی رحمت اور برکت لاکر ان ذکر کرنے والوں پر ڈالتے ہیں۔

(۲) دوسری فضیلت ذکر الٰہی کی یہ بیان کی گئی ہے کہ فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ (بقرہ آیت ۱۵۳) پس مجھے یاد رکھو کہ مَیں بھی تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کا اپنے عاجز بندے کو یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اُسے قرب عطا کرتا اور اُس کی ہر قسم کی احتیاجوں کو پورا کرتا ہے۔ دنیوی حکّام کا قرب حاصل کرنے اور اُن کی یاد میں رہنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتے۔ پھر اس احکم الحاکمین کے قرب کے لئے جس کے سامنے تمام دنیا کے حکّام ذلیل اور ہیچ ہیں ہمیں کیا کچھ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے جو بھی قربانی اور جو بھی جدّوجہد کی جائے کم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کا شکر کرو کہ اُس نے تمہیں اپنے قرب کا ایسا عمدہ نسخہ بتایا ہے۔ اس نسخہ سے بے پرواہی کر کے اس خدائے عظیم کی ناشکری نہ کرو۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اذا ذکرنی عبدی فی نفسہٖ ذکرتہ فی نفسی و اذا ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیرٍ من ملاءٍہٖ یعنی جب میرا بندہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جب وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس سے بہتر مجلس میں اُس کا ذکر کرتا ہوں یعنی نیک لوگوں میں اس کی عزت قائم کرتا ہوں۔ یہ حدیث گویا ایک رنگ میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر ہے۔

(۳) ذکر الٰہی کی تیسری فضیلت اطمینانِ قلب کا دیا جانا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد آیت ۲۹) خبردار رہو اچھی طرح توجہ سے سُن لو کہ دلوں کو اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ تمام دنیا راحت اور اطمینانِ قلب حاصل کرنے کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ مال و دولت عزت، بیوی بچے سب سے غرض راحت و اطمینان حاصل کرنا ہوتی ہے لیکن خدا سے الگ ہو کر وہ عارضی طور پر تو راحت دینے والے معلوم ہوتے ہیں لیکن بالآخر جلن اور سوزش کا موجب ہی بنتے ہیں حقیقی آرام جان اور اطمینانِ قلب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی دل کو اور اُس کے جذباتِ محبت کو اپنے لئے بنایا ہے۔ جب بھی وہ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اسے تسکینِ قلب نہیں دے سکتیں۔ گویا جس غرض کے لئے ان کی طرف جُھکتا ہے اور ان کی غلامی اختیار کرتا ہے وہی غرض پوری نہیں ہوتی۔ اس کی مثال وہی ہوتی ہے جو پچھلے دنوں میں نے رسالہ "لاہور" میں ایک عورت کے متعلق پڑھا کہ وہ مری گئی ہوئی تھی اور بازار میں ہر بچے کو بڑے غور سے دیکھتی اور اس کے ساتھ باتیں کرنے کی کوشش کرتی اور پھر پیچھے ہٹ جاتی یہاں تک کہ اس پر یہ شبہ ہوا کہ شاید وہ کسی بچہ کو اغوا کر کے لے جانا چاہتی ہے۔ پیچھا کرنے والوں نے اس کا پیچھا اس کے ہوٹل تک کیا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ وہ ایک معزز اور امیر عورت ہے۔ چند سال ہوئے اُس کا بچہ کراچی میں گم ہو گیا تھا اب وہ اس کی تلاش میں سرگرداں پھر رہی ہے اور ہر بچے کو بڑے غور سے دیکھتی ہے کہ شاید اسی کا ہو۔ اور جب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نہیں ہے تو مایوس ہو کر آگے چلی جاتی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ اس کا بھی کوئی دل آرام، کوئی محبوب گُم ہو گیا ہوا ہے۔ وہ اُسے کبھی مال و دولت میں خیال کرتا ہے، کبھی عزت میں، کبھی بیوی میں، کبھی بچوں میں کبھی دنیا کی باقی چیزوں میں لیکن اُن میں سے کوئی چیز اُس کے دل کو حقیقی آرام نہیں پہنچا سکتی بلکہ بالآخر جلن اور سوزش کا موجب بنتی ہے کیونکہ اس میں وہ خاصیتیں نہیں ہوتیں جو اطمینان بخشنے کے لئے ضروری ہیں۔ نہ حسنِ لازوال ہے نہ احسانِ لا انتہا، نہ پلیدی اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ سے نجات ہے، نہ روح کی پرورش اور تازگی کا سامان۔ نہ ہمیشہ کی

زندگی اور اس میں آرام کی کفالت ہے نہ اس زندگی کے آرام سے حفاظت۔ نہ جذباتِ محبت کے اظہار کے لئے پورا میدان ہے نہ جذباتِ محبت کا پورا جواب اور نہ کامل وصال کی گنجائش۔ پھر اطمینانِ قلب حاصل ہو تو کیسے ہو؟۔ اطمینانِ قلب تو ایک ایسے وجود کو چاہتا ہے جو انتہا درجہ کا حُسن رکھتا ہو اور انتہا درجہ کا احسان کرنے والا ہو۔ جو ہر حال میں انسان کا کفیل ہو سکتا ہو، جو اُس کو ہمیشہ کی زندگی دے سکتا ہو اور ہمیشہ کا آرام۔ جو اس کے جذباتِ محبت کا پورا پورا جواب دے سکتا ہو، ایسا جواب جو اس کے دل کی گہرائیوں کو مست کرتا چلا جائے؛ جو اس کو بدی اور بُرائی کی کشمکش اور کدورت سے نجات بخش کر اس کو کامل پاکیزگی دے سکتا ہو۔ جو قدم قدم پر اس کا ساتھ دے سکتا ہو اور کسی وقت بھی اپنی معیت سے محروم کرنے والا نہ ہو۔ جو اُس کی تمام طاقتوں کو نشوونما دینے والا ہو اور اس کو کسی جگہ بھی ادھورا چھوڑنے والا نہ ہو۔ اور جو اُس کی آئندہ آنے والی نسلوں کی حفاظت کا وعدہ بھی دینے والا ہو۔ کیا ہمارے خدا کے علاوہ کوئی اور ہے جو ایسا کر سکے؟ سو اطمینانِ قلب اور کہاں مل سکتا ہے۔

(۴) ذکرِ الٰہی سے دشمن کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ فرماتا ہے اے مومنو! جب تم کسی گروہ کے مقابلہ میں آجاؤ تو ثبات اختیار کرو اور خوب ذکرِ الٰہی کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔ ذکرِ الٰہی دل کو تقویت دیتا ہے اور مقابلہ کی طاقت پیدا کرتا ہے۔ پس دشمن کے مقابلہ میں کامیابی کا یہ نہایت عمدہ گُر خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔ ایسے انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل ہوتی ہے۔

(۵) ذکرِ الٰہی کرنے والے کی حاجات کے پُورا کرنے کی طرف خدا تعالیٰ زیادہ توجہ فرماتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَن شغله ذكرى عن مسئلتى اعطيته افضل ما اُعطى السائلين۔ یعنی جو مجھ سے سوال کرنے کی بجائے میرے ذکر میں مصروف رہتا ہے اُس کو میں اُس سے زیادہ دیتا ہوں جو مانگنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ گویا دُعا سے پہلے اگر ذکرِ الٰہی کیا جائے تو دُعا کی زیادہ قبولیت کا موجب بنتا ہے۔

یہ خلاصہ ہے ذکرِ الٰہی کے فضائل کا +

سعادتمندی کی علامت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے والا سعادت مند ہے"

("الانذار" صـ۶۲)

نماز باجماعت از روئے احادیث

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے احادیث میں ایک روایت مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

۱۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ، شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (بخاری کتاب الایمان)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ دوسرے نماز کو قائم کرنا۔ تیسرے زکوٰۃ کا ادا کرنا۔ چوتھے حج کرنا۔ پانچویں رمضان شریف میں روزے رکھنا۔

اس حدیث میں نماز قائم کرنے کا ذکر ہے جس کے کئی معانی ہیں۔ ان میں سے سب سے مقدم اور اوّل معنی نماز باجماعت پڑھنے کے ہیں۔ جب باجماعت نماز شروع ہونے لگتی ہے تو اقامت میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔ یعنی نماز کھڑی ہوگئی ہے، نماز کھڑی ہوگئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت الصلوٰۃ سے مراد نماز باجماعت پڑھنا ہی ہے۔ اسلام کا اصل حکم یہی ہے کہ نماز باجماعت ادا کی جائے۔ فرض نماز کو بغیر کسی شرعی عذر کے الگ پڑھنا بہت ہی کمزوری اور نقصان کی حالت ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (بخاری۔ باب بدء الاذان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نماز باجماعت تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔

نماز باجماعت کی مثال ایک قافلے کی مثال ہے۔ قافلے کی صورت میں ایک دوسرے سے مدد حاصل کرتے ہوئے کمزور اور ناتواں افراد بھی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے کمزور افراد جن کے متعلق یہ

کیا جا سکتا ہے کہ اکیلے یا تو منزل پر پہنچ ہی نہ سکیں گے یا بہت دیر سے پہنچیں گے۔

نماز باجماعت کی صورت میں اعلیٰ درجہ کے مومنوں کی دعاؤں کے ساتھ مل کر .... ادنیٰ درجہ کے مومنوں کی دُعائیں بھی عرشِ الٰہی پر جلد رسائی حاصل کر لیتی ہیں اور دُعا میں ستائیس گنا زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نماز باجماعت میں ملائکہ کا نزول بھی خاص طور پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیث ۳ سے ظاہر ہے:۔

۳۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَفْضُلُ صَلٰوةُ الْجَمِیْعِ صَلٰوةَ اَحَدِکُمْ وَحْدَهٗ بِخَمْسٍ وَّ عِشْرِیْنَ جُزْءًا وَ تَجْتَمِعُ مَلٰٓئِکَةُ اللَّیْلِ وَمَلٰٓئِکَةُ النَّهَارِ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ قَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ فَاقْرَؤُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نماز باجماعت تم میں سے کسی ایک کی تنہا نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔ رات اور دن کے فرشتے نماز فجر میں جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اس کی تائید میں قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ لو کہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا۔

(بخاری۔ کتاب بدء الاذان)

معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر میں ملائکہ کا عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے ورنہ نماز باجماعت جو مسجد میں قائم کی جاتی ہے اس کی مثال تو ایسے ہی ہے کہ ایک شاہی دربار منعقد کیا جائے۔ پس ہر نماز میں اللہ تعالیٰ کا دربار لگتا ہے اسی لئے ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔ نماز کی مثال ایسی ہی ہے کہ اس میں مومن زمین کی پستیوں سے پرواز کر کے عرش کی بلندیوں کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے۔ اسی لئے نماز کے خاتمے پر کہا جاتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہ اے دُنیا کے لوگو السلام علیکم میں واپس دنیا میں آ گیا ہوں۔

اذان کی مثال دربار لگنے کی منادی کی ہے۔ بادشاہ کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ ہمارا دربار لگنے لگا ہے ضرورتمند حاضر ہو کر اپنی ضرورتیں پیش کریں جو منظور کی جائیں گی۔ یہی مفہوم ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کا۔

نماز باجماعت کو اکیلی نماز پر جو پچیس گنا یا ستائیس گنا فضیلت ہے اس کی تفصیل ایک اور حدیث میں اس طرح

بیان ہوئی ہے :-

۴- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمِیْعِ تَزِیْدُ عَلٰی صَلٰوتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ وَصَلٰوتِهٖ فِیْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ دَرَجَةً فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَاَتَی الْمَسْجِدَ لَا یُرِیْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ لَمْ یَخْطُ خَطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةً حَتّٰی یَدْخُلَ الْمَسْجِدَ کَانَ فِیْ صَلٰوةٍ مَا کَانَتْ تَحْبِسُهٗ وَتُصَلِّیَ الْمَلَائِکَةُ عَلَیْهِ مَا دَامَ فِیْ مَجْلِسِهِ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْهِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ یُحْدِثْ فِیْهِ (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز باجماعت آدمی کے گھر پر نماز پڑھ لینے سے پچیس گنے بڑھی ہوئی ہے۔ پس یقیناً جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرتا ہے اور عمدگی سے وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے اس حالت میں کہ اس کے مسجد میں آنے کا مقصد صرف نماز کی ادائیگی ہی ہوتا ہے تو وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک گناہ گھٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ نماز میں ہی سمجھا جاتا ہے یعنی نماز پڑھنے کا ثواب اُسے ملتا رہتا ہے جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خدا اس کو بخش دے، اے خدا اس پر رحم فرما۔ اُس وقت تک وہ اُس کے لئے دعائیں جاری رکھتے ہیں جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔

اللہ اللہ۔ نماز باجماعت میں شامل ہونے والے پر کس طرح قدم قدم پر فضل اور رحمت و مغفرت کا نزول ہوتا ہے۔ ملائکہ کی دعائیں شاملِ حال ہوتی ہیں جو بہر حال قبول ہوتی ہیں۔ انتظار کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کا ثواب ملتا چلا جاتا ہے۔ ہاں اس کے لئے یہ شرط ہے کہ مسجد میں جانا صرف ذکرِ الٰہی کیلئے ہی ہو۔ وہاں جا کر دُنیا کے امور میں توجہ نہ ہو۔

اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت کے لئے بندہ جتنی دُور سے جائے گا اُتنا ہی اُسے زیادہ قدم اُٹھانے پڑیں گے اور زیادہ ثواب ہوگا۔ چنانچہ ایک اَور حدیث میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے :-

۵- عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِي الصَّلٰوةِ اَبْعَدُهُمْ فَاَبْعَدُهُمْ مَمْشًى وَالَّذِيْ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ۔

(بخاری باب بدء الاذان)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر اس کو ملتا ہے جو سب سے زیادہ فاصلے سے آتا ہے۔ پھر اس کو جو اس سے کم تر فاصلے سے۔ اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے تاکہ اُسے امام کے ساتھ پڑھے اس کا ثواب اُس شخص سے بڑھ کر ہے جو نماز پڑھ کے سو جاتا ہے۔

پھر صفِ اوّل میں شامل ہونے کی نسبت روایت ہے کہ:۔

۴۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا۔ (بخاری۔ باب بدء الاذان)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو علم ہو جاتا کہ اذان دینے اور نماز کی پہلی صف میں شامل ہونے کا کس قدر اجر ہے اور پھر سوائے قرعہ اندازی کے اس بارہ میں اُن کا جھگڑا چکانے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تو وہ ضرور قرعہ اندازی کر کے فیصلہ کرتے کہ کون اذان دے اور کون پہلی صف میں بیٹھے۔ اگر لوگ جانتے کہ اول وقت میں نماز پڑھنے کا کس قدر ثواب ہے تو اس امر کی طرف سبقت کرتے اور انہیں علم ہو جاتا کہ عشاء اور فجر کی نمازوں میں کس قدر اجر ہے تو وہ اِن نمازوں میں ضرور آتے خواہ انہیں ہاتھ پاؤں یا پیٹ کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فضلوں اور رحمتوں کی بارش برسانے کے لئے بے شمار مواقع پیدا کئے ہیں جو لوگ اِن مواقع سے فائدہ اٹھاتے چلے جاتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے قرب کے مقامات طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ ضرورت صرف اِس امر کی ہے کہ ہمیں سچا یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام بجا لانے میں کتنا اجر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کو سچ مچ اُس عظیم الشان اجر کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے تیار کیا ہے تو گھسٹ گھسٹ کر آنا پڑے تب بھی وہ نماز باجماعت سے غیر حاضر نہ رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے کہ بعض کمزور مومن یا منافق کسی طرح اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارشوں سے اپنی سستیوں اور

غفلتوں کے باعث محروم ہو رہے ہیں تو آپ غم سے نڈھال ہو جاتے اور آپ کو یہ امر بہت ناگوار گزرتا۔ جس طرح ماں جب دیکھتی ہے کہ اس کے بچے نے اپنا کوئی نقصان کر لیا ہے تو اسے اپنے درد کی وجہ سے طبعاً اپنے بچے پر بھی غصہ آتا ہے اور وہ اُسے سختی سے جھڑکتی یا مارتی ہے۔ اسی طرح نماز باجماعت سے غفلت کرنے والوں پر انتہائی شفقت اور محبت کے جذبات کی وجہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اپنے غم اور ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ غم اور ناراضگی کا یہ اظہار محض آپ کے سراسر رحمت مجسم ہونے کی وجہ سے ہی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:-

۷- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ یَجِدُ عَرْقًا سَمِیْنًا اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔

(بخاری - باب بدء الاذان)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یقیناً میرا جی چاہتا ہے کہ ایندھن لانے کا حکم دوں اور پھر اُسے آگ لگائی جائے۔ پھر حکم دوں کہ نماز کی اذان دی جائے پھر اپنی جگہ کسی اور شخص کو نماز کا امام بناؤں اور خود اُن لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہ ہوئے ہوں اور اُن کے گھروں کو اُن کے سمیت جلا دوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر ان لوگوں کو یہ کہا جائے کہ عشاء کے بعد تمہیں موٹی سی ہڈی یا بکری کے دو کھر کھانے کو ملیں گے، تب یہ لوگ عشاء میں حاضر ہو جائیں۔

یعنی انسان دنیا کے چھوٹے چھوٹے لالچوں اور تقریبوں، ٹی پارٹیوں میں تو حاضر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُسے علم ہوتا ہے کہ وہاں پہنچ کر منہ میٹھا یا نمکین ہوگا۔ مگر احکم الحاکمین، شہنشاہوں کے شہنشاہ کے دربار سے غیر حاضر رہتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے اجر پر اُسے بکری کے دو کھروں (یا چائے کی ایک پیالی) جتنا بھی ایمان اور یقین نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کو کبھی بھی عملی جامہ نہیں پہنایا مگر بوجہ رحمت مجسم ہونے کے آپ کے دل میں انسانوں کی خدا تعالیٰ کے دربار سے غیر حاضری اور محرومی نے از حد غم و اندوہ پیدا کیا اور آپ نے اس حدیث میں اپنے اس قلبی غم کا ہی اظہار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے انسان پر آخر ایک وقت آجاتا ہے جبکہ عبادت اُس کیلئے تکلف

کے رنگ میں نہیں رہتی بلکہ اُسے اُس میں ایک حلاوت و لذت عطا کی جاتی ہے۔ ایک نماز پڑھ کر ایسا شخص وصالِ محبوب کی انتظار میں رہتا ہے کہ دوسری نماز کا وقت آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے ایسے عاشقوں سے قیامت کے روز خاص رحمت کا سلوک کرے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:۔

۸۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ ...... شَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ ...... الخ

(بخاری - باب بدء الأذان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اُس دن اپنے خاص سائے میں رکھیگا جس دن سوائے اس کے اور کسی کا سایہ نہ ہوگا ...... ایسا نوجوان جو اپنے رب کی عبادت کرتے کرتے جوان ہوا ہو اور ایسا شخص جس کا دل مسجد میں لٹکا رہتا ہے ...... (اسی طرح آپؐ نے سات آدمی گنوائے ہیں)

یعنی جسے نماز میں اس قدر لطف آتا ہے کہ ایک نماز پڑھ کر وہ دُنیا کے کاموں کے لئے مسجد سے چلا تو جاتا ہے مگر دل مسجد میں ہی لٹکا رہتا ہے یعنی بصد شوق و محبّت وہ دوسری نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے کہ کب پھر اذان ہو اور وہ پھر مسجد میں حاضر ہو کر وصالِ محبوب سے لطف اندوز ہو۔

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جو نوجوان بچپن سے ہی عبادات کا ذوق و شوق پیدا کر لیتے ہیں اور اسی حالت میں جوان ہوتے ہیں وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے اُور بھی فضلوں اور رحمتوں کے سایوں کے مستحق ہوں گے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ وَ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْرَاحَ ۔

(بخاری - باب بدء الأذان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت یا شام کے وقت مسجد کو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اس عمل کے بدلے میں جنّت میں اس کے لئے اسی نسبت سے مہمانی تیار کرتا ہے جس ذوق و شوق کے ساتھ وہ صبح و شام مسجد کو جاتا ہے۔

جو لوگ خدا کے رسولؐ کے مُنہ سے نکلی ہوئی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اُسی یقین کے تحت اعمال صالحہ ابتغاءً لِمَرضاتِ اللّٰہِ بجالاتے ہیں یقیناً وہ اِن تمام وعدوں اور انعامات کے مورد ہوں گے۔

آخر میں ہم نماز با جماعت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اُسوہ حسنہ کو دیکھتے ہیں تو معلوم

ہوتا ہے کہ مرض الموت کی شدت میں بھی حضور نے خواہش کی اور کوشش فرمائی کہ خود تشریف لا کر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آخر میں بالکل بے بس ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ وہ آپ کی بجائے نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :-

١٠- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ
لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَصَلَّى النَّاسُ
قُلْنَا لَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ
فَقَالَ ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ
قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ
لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ
فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَصَلَّى النَّاسُ. قُلْنَا لَا هُمْ
يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ.
قَالَ ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ
قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ
لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ
فَقَالَ أَصَلَّى النَّاسُ. قُلْنَا لَا
هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ
فَقَالَ ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ
فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ
فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ
أَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا هُمْ
يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ
وَالنَّاسُ عُكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ
يَنْتَظِرُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں ؟ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نہیں بلکہ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں تو فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھو۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ تو آپؐ نے غسل فرمایا پھر آپ اُٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد جب ہوش میں آئے تو (پھر) دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نہیں بلکہ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھو۔ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ آپ بیٹھ گئے اور آپ نے غسل کیا۔ پھر جب آپ اُٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں ؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں بلکہ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھو۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور غسل فرمایا۔ پھر جب آپ اُٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے۔ پھر آپ ہوش میں آئے اور فرمایا کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں ؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ اور لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے

لِصَلٰوۃِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَۃِ فَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ بِاَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ ...... الخ (بخاری - باب بدء الاذان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشاء کی نماز کیلئے انتظار کر رہے تھے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں .....

اس حدیث سے ظاہر و باہر ہے کہ آخر دم تک جب تک آپؐ کے جسم میں سکت رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت کے لئے تشریف لاتے رہے۔ پھر شدتِ مرض میں تین دفعہ غسل کرکے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن تینوں بار بے ہوش ہو گئے۔

جب سیّد المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ ہے تو افرادِ اُمّت کا کیا ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم آپؐ کے نقشِ قدم پر چلیں تا روزِ قیامت آپؐ کے غلاموں کی صف میں اٹھائے جائیں اور آپؐ کی شفاعت کے مستحق بنیں۔ اللّٰھم صلّ وسلّم و بارك عليه وعلیٰ اٰله وعلیٰ عبدك المسيح الموعود۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نہایت ضروری امر

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"یہ ضروری اور بہت ضروری ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے پورے تذلّل اور انکسار کے ساتھ ہر وقت دُعا مانگتا رہے کہ وہ اُسے سچّی معرفت اور حقیقی بصیرت اور بینائی عطا کرے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ رکھے۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۹۲)

انصاراللہ کی ذمہ داریاں

(مکرم میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جملہ افرادِ جماعت کو ہر حصۂ عمر کے لحاظ سے اطفال الاحمدیہ، خدام الاحمدیہ، اور انصار اللہ کی علیحدہ علیحدہ تنظیموں میں تقسیم فرمایا ہے تاکہ تقسیم کار کے نتیجے میں ہر حصۂ جماعت اپنے فرائض کو کماحقہٗ ادا کر سکے۔ ان میں سے چالیس سال سے اُوپر عمر والے ذکور افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ انصار اللہ کی مجلس میں شامل ہوں۔ حضور ایدہ اللہ ان علیحدہ علیحدہ تنظیموں میں شمولیت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ان میں سے اگر کوئی اپنی عمر کے مطابق اپنے حصۂ جماعت میں شامل نہیں ہوتا تو وہ قومی جُرم کا ارتکاب کرتا ہے۔"

نیز فرماتے ہیں :-

"اگر کوئی شخص ان مجالس (اطفال الاحمدیہ، خدام الاحمدیہ، انصار اللہ) میں شامل نہیں ہوتا تو اُس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا۔"

جہاں تک انصار اللہ اور ان کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے اِس بارہ میں حضور فرماتے ہیں :-

"ان سے وہی کام لیا جائے گا جو (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے) صحابہ رضی اللہ عنہم سے (اُن کے وقت میں) لیا گیا۔"

اُدھر ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جب آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے کو ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانے کے لئے سورۃ العصر کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ	مَیں زمانہ کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ یقیناً انسان
خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	گھاٹے میں رہتا ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر انہوں نے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا	موقع کے مناسب حال عمل کئے اور صداقت کے اصول پر قائم
بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝	رہنے کی ایک دوسرے کو تلقین کی اور صبر سے کام لینے کی ایک
	دوسرے کو ہدایت کرتے رہے (ایسے لوگ کبھی بھی گھاٹے میں نہیں پڑ سکتے)

اس سورۃ میں سب سے پہلے جس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر انسان گھاٹے سے بچنا چاہتا ہے تو اسے اپنے ایمان کو درست کرنا چاہیئے اسی لئے حضور نے بھی فرمایا ہے :-

"ان مجالس میں شامل ہونا درحقیقت اپنے ایمان کی حفاظت کرنا ہے اور اُن ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے جو خدا اور اُس کے رسول نے ہم پر عائد کی ہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۰ء)

اس سورۃ میں دوسرا امر جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہے یعنی اپنے اعمال کو درست کرو کیونکہ محض ایمان لے آنے سے ایک شخص پورے طور پر گھاٹے سے نہیں بچ سکتا۔ ایمان کی مثال تو ایک بیج کی سی ہے جس کو اگر پانی سے نہ سینچا جائے تو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور بار آور نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایمان کو بار آور کرنے کے لئے اسے عملِ صالح کے پانی سے سیراب کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا ہے :-

"اس تنظیم کے ذریعے علاوہ اور کاموں کے اس امر کی نگرانی کی جائے گی کہ کوئی شخص ایسا نہ رہے جو مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کا پابند نہ ہو سوائے اُن کے جو معذور ہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۰ء)

تیسری بات جس پر اس سورۃ میں زور دیا گیا ہے وہ ہے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ یعنی یہ کہ الحق کی تبلیغ کی جائے کیونکہ مکمل طور پر گھاٹے سے بچنے کے لئے محض ایمان کا درست کر لینا اور اعمال صالح کا بجالانا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول کا درست کرنا بھی ضروری ہے۔ انسان مدنی الطبع بنایا گیا ہے، اور وہ مجبور ہے کہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ غیروں میں حق کی تبلیغ کرے اور اپنوں کی تربیت کرے تاکہ اس کا ماحول درست ہو جائے اور اسے کسی قسم کے گھاٹے یا خسارہ کا اندیشہ نہ رہے چنانچہ حضور نے فرمایا ہے :-

"ان سے وہی کام لیا جائے گا جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے لیا گیا یعنی کچھ تو اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں میں تبلیغ کریں، کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ تعلیم و تربیت کا کام کریں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۰ء)

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر حضور نے فرمایا :-

"خدا کا نور جس قوم میں ظاہر ہوتا ہے اُس کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور اس قوم کا فرض ہوتا ہے کہ وہ دوسرے سب لوگوں کو اس نور سے منور کرے۔"

چوتھی اور آخری بات جو سورۃ العصر میں بیان کی گئی ہے وہ ہے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی یہ کہ جب حق کی تبلیغ کی جائے گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں تکالیف کا سامنا ہو اور طرح طرح کی قربانیاں کرنی پڑیں تو ایسے وقت میں صبر سے کام لینا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوگا اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جائے اُسے اور کیا چاہیئے۔ چنانچہ حضور نے دین کی راہ میں ہمت اور استقلال کے ساتھ قربانیاں کرنے کی مشق کرانے کے لئے ہی تحریک جدید جاری فرمائی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے بعض کسی حقیقی معذوری کے باعث ان ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکیں تاہم وہ یہ تو کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی معذوریاں دُور فرمائے اور اُن کے دیگر بھائیوں کو اپنی ذمہ داریاں کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق دے اور اُن کی کوششوں کے شاندار نتائج پیدا کرے۔ چنانچہ حضور نے اِس طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"جو شخص کسی واقعی عذر کی وجہ سے شامل نہ ہو سکتا ہو مثلاً وہ مفلوج ہے یا اندھا ہے یا ایسا بیمار ہے کہ چل پھر نہیں سکتا اسے کہہ دیا جائے کہ اگر تم کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم دو نفل روزانہ ادا کر کے جماعت کی ترقی کے لئے دُعا کر دیا کرو۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۰ء)

جہاں ہم حضرت خلیفۃ المسیح انصار اللہ کی مساعی کو کامیاب بنانے کے لئے کوشاں رہیں وہاں ہمیں چاہیئے کہ ہم دعاؤں کے پہلو کو نظر انداز نہ ہونے دیں۔ ہم کو محض اپنی کوششوں پر انحصار نہ کرنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کے بعد نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے فضل سے ہماری کوششوں اور مساعی میں برکت ڈالے چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

"انسان اگر کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ عجز اور انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ راکتوبر ۱۹۴۳ء)

بالآخر میں احباب کو اِس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ہم اُس بابرکت وجود کے لئے بھی دُعائیں کریں جس نے ہماری بہتری اور فلاح کے لئے مجلس انصار اللہ قائم فرمائی ہے اور جو عرصہ سے بیمار ہے اور ہم اُس کی براہِ راست اور بالمشافہ رہنمائی سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ حضور کو کامل طور پر شفایاب فرمائے اور لمبی عمر عطا کرے تاکہ ہم پھر اِس بابرکت وجود کی پہلے ہی کی طرح براہِ راست اور بالمشافہ رہنمائی سے مستفید ہوں۔ آمین اللّٰھم آمین ٭

اِک نعرۂ نحن بھی لگائیں ذرا آؤ

(مکرم عبدالمنان صاحب ناہید)

اسلوبِ وفا تم کو بتائیں ذرا آؤ
آدابِ جنوں تم کو سکھائیں ذرا آؤ

جو ارض و سما اپنے لئے ہم نے بنائے
وہ ارض و سما تم کو دکھائیں ذرا آؤ

ہم بھول گئے خود کو بھی جس بات کو سُن کر
وہ بات تمھیں بھی تو بتائیں ذرا آؤ

حُوروں نے بھی گایا جو فرشتوں نے بھی گایا
وہ گیت تمھیں گا کے سُنائیں ذرا آؤ

آواز تو آئی ہے مَن انصاری اِلی اللہ
اِک نعرۂ نحن بھی لگائیں ذرا آؤ

آؤ کہ ہمیں اب بھی ضرورت ہے تمھاری
ماضی کو گلے مل کے بُھلائیں ذرا آؤ

ناہید چلو اُن کی جفاؤں کو بھلا کر
رُوٹھے ہوئے پیاروں کو منائیں ذرا آؤ

دنیا میں عیسائیت کے زوال پذیر ہونے کا ایک اور اعتراف

مسیح پاک کی ایک پیشگوئی اور اس کا عظیم الشان ظہور!

(۱)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ۶۵ سال قبل ۱۸۹۷ء میں عیسائیت کے عالمگیر غلبہ کے نابود ہونے اور اس کی بجائے دنیا میں اسلام کے غالب آنے کی نہایت زوردار الفاظ میں بشارت دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:۔

"میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے میرا دل مُردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے ..... میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا آقا قادر و توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے، غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے، مریم کی معبودانہ زندگی پر موت آئے گی اور نیز اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا۔ خدا قادر فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو مریم اور اسکے بیٹے عیسیٰ اور تمام زمین کے باشندوں کو ہلاک کر دوں۔ سو اب اُس نے چاہا ہے کہ ان دونوں کی جھوٹی معبودانہ زندگی کو موت کا مزہ چکھاوے۔ سو اب دونوں مریں گے کوئی ان کو بچا نہیں سکتا۔ اور وہ تمام خراب استعدادیں بھی مریں گی جو جھوٹے خداؤں کو تسلیم کر لیتی تھیں۔ نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان ہوگا۔ اب وہ دن نزدیک آتے ہیں جو سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ چلے گا اور بعد اس کے توبہ کا دروازہ بند ہوگا کیونکہ داخل ہونے والے بڑے زور سے داخل ہو جائیں گے اور وہی باقی رہ جائیں گے جن کے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور جو نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام، اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا اور نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید، جس کو بیابانوں

کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں، ملکوں میں پھیلے گی۔ اُس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا، لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد رُوحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

(۲)

جس زمانہ میں آپ نے یہ زبردست اعلان فرمایا اُس وقت عیسائیت پورے کرۂ ارض پر چھائی ہوئی تھی اور اس میں کسی قسم کے ضعف یا اضمحلال کے خفیف سے خفیف آثار بھی موجود نہ تھے۔ برخلاف اِس کے اسلام انتہائی ضعف کی حالت میں تھا اور خود مسلمانوں کو اس کے دوبارہ اُبھرنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اِس اعلان کا ہونا تھا کہ عیسائیوں نے (نعوذ باللہ) اِس کا مذاق اڑانے کی غرض سے عیسائیت کے غلبہ و استیلاء کی وسعت اور اس کی ہمہ گیر نوعیت کا ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ یہ غلبہ اب کبھی نہیں مٹے گا۔ چنانچہ امریکہ سے مشہور عیسائی مناد ڈاکٹر جان ہنری بیروز کو ہندوستان بلوایا گیا۔ وہ انگریزی زبان کے بڑے فصیح البیان مقرر تھے انہوں نے ۱۸۹۷ء میں برصغیر کا طوفانی دورہ کر کے جگہ جگہ لیکچر دیئے اور ان لیکچروں میں عیسائیت کے عالمگیر غلبہ کا وہ ڈھنڈورا پیٹا کہ آسمان سر پر اٹھا لیا۔ انہوں نے اپنے ایک لیکچر میں عیسائیت کے غلبہ و استیلاء کا ذکر کرتے ہوئے بڑے طمطراق سے اعلان کیا:-

"آسمانی بادشاہت پورے کرۂ ارض پر محیط ہوتی جا رہی ہے۔ آج دُنیا بھر میں اخلاقی اور فوجی طاقت، علم و فضل، صنعت و حرفت اور تمام تر تجارت اُن اقوام کے ہاتھ میں ہے جو آسمانی الوہیت اور انسانی اخوت کی مسیحی تعلیم پر ایمان رکھتے ہوئے یسوع مسیح کو (اپنا نجات دہندہ) تسلیم کرتی ہیں۔"

(بیروز لیکچرز صفحہ ۱۹)

اسی لیکچر میں آگے چل کر انہوں نے ایک برطانوی ادیب کے حوالہ سے عیسائیت کے غلبہ و استیلاء کا نقشہ نہایت درجہ فخریہ انداز اور تعلّی آمیز الفاظ میں کھینچتے ہوئے کہا:-

"دنیائے عیسائیت کا عروج آج اس درجہ زندہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ اس درجہ عروج اُسے اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ذرا ہماری ملکۂ عالیہ (ملکہ وکٹوریہ) کو دیکھو جو ایک ایسی سلطنت کی سربراہ ہے جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا دیکھو، وہ ناصرہ کے مصلوب کی خانقاہ پر کمال درجہ تابعداری سے احتراماً جھکتی اور خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے یا پھر گاؤں کے گرجا میں

جا کر نظر دوڑاؤ اور دیکھو کہ وہ سیاسی مدبّر (وزیر اعظم برطانیہ) جس کے ہاتھوں میں ایک عالمگیر سلطنت اور اُس کی قسمت کی باگ ڈور ہے جب یسوع مسیح کے نام پر دُعا کرتا ہے تو کیسی عاجزی اور انکساری سے اپنا سر جھکاتا ہے۔ دیکھو جرمنی کے نوجوان قیصر کو جب وہ خود اپنے لوگوں کے لئے بطور پادری فرائض سرانجام دیتا اور یسوع مسیح کے مذہب یعنی دینِ عیسائیت سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتا ہے۔ مشرقی انداز پر ماسکو کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹ میں زارِ روس کو دیکھو کہ تاج پوشی کے وقت ابن آدم کے طشت میں رکھ کر اسے تاج پیش کیا جاتا ہے۔ یا پھر مغربی جمہوریت (امریکہ) کے ایک صدر کے بعد دوسرے صدر کو دیکھو کہ اُن میں سے ہر ایک عبادت کے نسبتاً سادہ لیکن عمیق اسلوب میں ہمارے خداوند کے ساتھ اپنی وفاداری اور تابعداری کا اظہار کرتا چلا جاتا ہے۔ امریکی، برطانوی، جرمن، اور روسی سلطنتوں کے حکمران اقرار کرتے ہیں کہ وہ یسوع مسیح کے وائسرائے ہیں اور اسی حیثیت سے اپنی اپنی سلطنتوں میں حکمران ہیں۔ کیا اِن سب کے زیرِ نگین علاقے مل کر ایک ایسی وسیع و عریض سلطنت کی حیثیت نہیں رکھتے کہ جس کے آگے ازمنہ قدیم کی بڑی سے بڑی سلطنت بھی سراسر بے حیثیت نظر آنے لگتی ہے؟" (بیروز لیکچرز صفحہ ۱۹-۲۰)

عیسائی سلطنتوں کے دبدبہ و حکومت اور ان میں عیسائیت کے غلبہ و استیلاء کا نہایت پُر شکوہ الفاظ میں نقشہ کھینچنے کے بعد ڈاکٹر بیروز نے خاص اسلامی ملکوں میں بھی عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا بڑے فاتحانہ انداز میں ذکر کیا اور کہا:-

"اب میں اسلامی ملکوں میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں۔ اِس ترقی کے نتیجہ میں صلیب کی چمکار اگر ایک طرف لبنان پر جلوہ فگن ہے تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیاں اور باسفورس کا پانی اس کے نور سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ یہ صورت حال اُس آنیوالے انقلاب کا پیش خیمہ ہے جب قاہرہ، دمشق اور تہران خداوند یسوع مسیح کے خدام سے آباد نظر آئینگے حتّٰی کہ صلیب کی چمک صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی خداوند یسوع مسیح کے شاگردوں کے ذریعہ مکّہ اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہو گی اور بالآخر وہاں اِس صداقت کی منادی کی جائیگی کہ ابدی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ حقیقی اور واحد خدا کو اور یسوع مسیح کو جانیں جس کو تُو نے بھیجا ہے۔" (بیروز لیکچرز صفحہ ۴۲)

پھر یہ دکھانے کے لئے کہ عیسائیت کا یہ غلبہ عارضی نہیں مستقل ہے اور آئندہ اِس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائیگا ڈاکٹر بیروز نے مزید کہا:-

"وہ تمام ترقی جو انیسویں صدی میں عیسائیت کو نصیب ہوئی ہے وہ بہت سے مسیحیوں کے نزدیک

اُن فتوحات کی محض ایک خفیف سی جھلک ہے جو عیسائیت کو بیسویں صدی میں ملنے والی ہیں"
(بیروز لیکچرز صفحہ ۲۳)

(۳)

ڈاکٹر جان ہنری بیروز کے الفاظ میں یہ تھا عیسائیت کے غلبہ و استیلاء کا عالم کہ جب حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر دُنیا کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ وہ وقت آتا ہے کہ جب رُوئے زمین سے عیسائیت کی صف لپیٹ دی جائے گی، یسوع مسیح اور اُن کی والدہ کی معبودانہ زندگی پر موت وارد ہوگی، نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا اور نہ کوئی مصنوعی خدا، اِس کی بجائے سچی توحید دُنیا میں پھیلے گی، اور یہ سب کچھ بغیر کسی تلوار یا بندوق کے ظہور میں آئے گا۔ خدائی تصرف کے ماتحت لوگ خود بخود اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔

اُس وقت ڈاکٹر بیروز نے کرّہ ارض پر چھائی ہوئی عیسائی سلطنتوں پر گھمنڈ کرتے ہوئے انہیں عیسائیت کے نہ مٹنے والے غلبہ و استیلاء کے ثبوت میں پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ بیسویں صدی میں یہ غلبہ و استیلاء اور بھی زیادہ وسعت پذیر ہو جائے گا لیکن بیسویں صدی کو شروع ہوئے اکسٹھ سال ہو چکے ہیں اب وہ عیسائی سلطنتیں کہاں ہیں؟ ان کا وسعت پذیر ہونا تو کجا اُن کا نام و نشان بھی اب مٹتا جا رہا ہے۔ وہ اُس وقت سے ہی جبکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیت کے غلبہ کے مٹنے کی بشارت دی تھی ایک ایک کر کے نابود ہوتی چلی آ رہی ہیں اور ان کے ناپید ہونے کے ساتھ ساتھ ہی عیسائیت کی صف بھی بڑی تیزی کے ساتھ ان علاقوں سے لپٹتی چلی جا رہی ہے اور اُس کی بجائے اب وہاں دن بدن اسلام پھیلتا جا رہا ہے۔ مغرب کے کلیسائی حلقوں میں ایک شور پڑا ہوا ہے کہ عیسائیت کا اب کیا بنے گا۔ عیسائیت کی اِس ناکامی کا خود عیسائی پادریوں کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ انگلستان کے چودہ نامور پادریوں کے یہ اعتراف مسٹر جیمز مارچینٹ کی مرتب کردہ کتاب "Has the Church Failed?" شائع کردہ اوڈھم پریس لندن میں چھپے ہوئے موجود ہیں۔ اور دُنیا میں عیسائیت کی ناکامی اور تنزل کا تازہ ترین اعتراف مشرقی افریقہ کے لاٹ پادری ریورنڈ لیونارڈ بیچر (The Archbishop of East Africa, the most Rev. Leonard Beecher) کے اُس حالیہ بیان میں ملتا ہے جو دو اڑھائی ہفتہ قبل یعنی دسمبر ۱۹۶۱ء کے اواخر میں کرسمس کے موقع پر انہوں نے دیا ہے اور جو وہاں کے اخبار "ٹانگانیکا سٹینڈرڈ" کی ۲۳ دسمبر ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں جلی عنوانات کے تحت شائع ہوا ہے۔ اُس بیان میں وہ تسلیم کرتے ہیں:۔

" دنیا کی آبادی تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ چرچ کو نئے ممبر اب بھی مل رہے ہیں تاہم دنیا کی آبادی میں ان کا تناسب برابر گر رہا ہے۔ چرچ کے لئے

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ عیسائیت بڑی تیزی کے ساتھ تنزّل کی طرف جا رہی ہے۔" (ٹانگانیکا سٹینڈرڈ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۱ء)

مسٹر بیچر نے تو یہ بات افریقہ کی موجودہ صورتِ حال کو مدّنظر رکھ کر کہ یہاں عیسائیت کے بالمقابل اسلام بہت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے کہی ہے حقیقت یہ ہے کہ خود مغرب کے عیسائی ممالک میں بھی عیسائی کہلانے والوں کا مسیحی عقائد پر سے ایمان اُٹھتا جا رہا ہے۔ خاص بیسویں صدی میں جو زبردست تبدیلی وہاں رونما ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں لوگوں کی ایک بڑی اکثریت عیسائی کہلانے کے باوجود مسیح کی الوہیت اور کفارہ وغیرہ کی قائل نہیں ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ مسیح بہر طور انسان ہی تھا خدا نہیں تھا۔ چنانچہ ایڈون لوئس نے جو امریکہ کے ایک مذہبی ادارے میں مسیحی دینیات کے پروفیسر ہیں مسیحی عقائد پر ایک درسی کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "A Manual of Christian Beliefs" اِس میں انہوں نے "مسیح بیسویں صدی میں" کے زیرِ عنوان ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اِس باب میں انہوں نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ بیسویں صدی کے لوگ مسیح کو خدا ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں بلکہ کہتے ہیں مسیح اپنی تمام اعلیٰ صفات کے باوجود صرف اور صرف ایک انسان تھا۔ اس کا خدا ہونا، مر کر جی اُٹھنا، اور جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ چلے جانا سب خوش فہمیاں ہیں حقیقت سے ان باتوں کو دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ چنانچہ مسٹر لوئس مسیح کے متعلق مغرب میں رہنے والے بیسویں صدی کے عیسائیوں کے نظریات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"مسیح کا ایک مخصوص رنگ میں خدا اور پیدائشِ عالم کے مقصد سے تعلق تھا۔ اِس بارہ میں تاریخ کا فیصلہ بالکل واضح ہے لیکن اِس تعلق کے باوجود وہ حقیقی معنوں میں تھا ایک انسان ہی ۔۔۔۔ مسیح کے متعلق ہمارے فکر کا آغاز معلومہ حقائق سے ہونا چاہیئے کسی روائتی نظریہ سے نہیں۔ تاریخی اعتبار سے جو کچھ ہم جانتے ہیں یہ ہے کہ مسیح ایک انسان کے طور پر ظاہر ہوا جس نے اِس دنیا میں اسی طرح زندگی شروع کی جس طرح ہم سب اپنی زندگی شروع کرتے ہیں۔ جب تک وہ دنیا میں رہا لوگوں نے اُس میں انسانی اوصاف ہی محسوس کئے۔ چند ایک قریبی تعلق رکھنے والوں نے دیکھا کہ اُس کی انسانیت ایک خاص قسم کی ہے۔ مسیح ایسی باتیں کہتا اور کرتا ہے اور پھر انہیں ممکن کر دکھاتا ہے کہ جو دوسروں کے لئے ممکن نہیں۔ اس کی وفات کے بعد چند سال کے اندر اندر ہزاروں انسان ایسے پیدا ہو گئے جو اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اُس کی انسانیت ایک خاص قسم کی تھی۔ اِس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش میں انہوں نے اس کی الوہیت پر زور دینا شروع کر دیا۔۔۔۔۔"

مسیح کے متعلق جدید نظریہ اِسی تاریخی حقیقت کی طرف عود کر رہا ہے۔ یہ نظریہ اِس امر کو

تسلیم کرتا ہے کہ عہد نامہ جدید میں بعض بیانات ایسے ہیں کہ جن سے اعتقادی انداز فکر کی تائید ہوتی ہے اور جو مسیح کو اس طور پر پیش کرتے ہیں کہ گویا وہ ایک فوق البشر ہستی تھا جس نے انسانیت کا رُوپ دھار لیا تھا۔ لیکن جدید نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ان بیانات کو تاریخی حقائق کی روشنی میں پرکھا جائے۔ تاریخ مسیح کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان کے طور پر پیش کرتی ہے۔ ایسے بیانات کا درجہ توضیحی اور توجیہی آیات سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہیئے اور اس لحاظ سے وہ تنقید سے بالا نہیں ہیں۔"
(صـ ۹۳)

بیسویں صدی میں یورپ اور امریکہ کی نئی عیسائی نسلوں کی مروّجہ عیسائی عقائد سے اس بیزاری کو ہی دیکھ کر سینٹ جانز کالج آکسفورڈ کے پریذیڈنٹ سر سائرل نارووڈ آج سے چند سال پیشتر پکار اُٹھے تھے:۔

"یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ یورپ اور امریکہ کے مَردوں اور عورتوں کا ایک بڑا حصہ اب عیسائی نہیں رہا ہے اور شاید یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ ان کی اکثریت اب ایسی ہی ہے۔"
(Has the Church Failed Page 125)

نہ صرف افریقہ کے براعظم بلکہ خود یورپ اور امریکہ میں عیسائی عقائد سے بیزاری سے متعلق اس وقت جو صورتِ حال رونما ہے وہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر ایک زبردست گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج سے ۶۵ سال قبل عیسائیت کے اُس عروج ودبدبہ اور غلبہ واستیلاء کے زمانہ میں جس کا نقشہ ڈاکٹر جان ہنری بیروز اپنے لیکچروں میں کھینچ کھینچ کر غیر عیسائی دنیا کو مرعوب کرنے پر تُلے ہوئے تھے بجز ایک فرستادہ حق کے کون اتنی تحدی، اتنے یقین اور اتنے وثوق کے ساتھ عیسائیت کے زوال اور اسلام کے عروج واقبال کی خبر دے سکتا تھا اور اسے اپنی صداقت کے ایک زبردست نشان کے طور پر پیش کر سکتا تھا۔

مشرقی افریقہ کے آرچ بشپ مسٹر بیچر کے تازہ ترین، واضح اور غیر مبہم اعتراف اور اسی طرح مسٹر ایڈون لوئس اور سر سائرل نارووڈ کے بیانات سے یہ تابندہ حقیقت واضح ہوئے بغیر نہیں رہتی کہ زوالِ عیسائیت سے متعلق حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام کی وہ پیشگوئی جو آپ نے ۱۸۹۷ء میں کی تھی اس زمانہ میں بڑی شان کے ساتھ پوری ہو رہی ہے اور آئندہ بھی پوری ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ عیسائیت کا غلبہ یکسر ناپید ہو کر رہ جائیگا اور حسبِ وعدۂ الٰہی اسلام ساری دُنیا میں غالب آ کر دنیا کو حقیقی توحید کا گرویدہ اور پرستار بنا دے گا۔

ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ

بچّوں کا صفحہ

تین بڑے بڑے گناہ

بچّو! آج ہم تمہیں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناتے ہیں۔ اس حدیث میں رسولِ مقبولؐ نے امّت کو تین بڑے بڑے گناہوں سے خبردار کیا ہے اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ ان سے بچیں۔ گناہ بڑا ہو یا چھوٹا اس سے بچنا ضروری ہے لیکن بڑے بڑے گناہوں سے بچنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ گناہوں سے بچے بغیر تو ہم خدا کو کبھی اپنے پر راضی کر ہی نہیں سکتے۔

وہ حدیث یہ ہے کہ ایک دفعہ رسولِ مقبولؐ اپنے صحابہؓ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے فرمایا "اے میرے صحابہ! کیا میں تمہیں اُن گناہوں کی خبر نہ دوں جو سب سے بڑے ہیں؟" صحابہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! ضرور بتائیے" آپ نے فرمایا "سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان کسی کو خدا کا شریک قرار دے" پھر فرمایا "ایک اور بڑا گناہ یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی کی جائے، اُن کو دُکھ دیا جائے اور اُن کی باتوں کو نہ مانا جائے۔" یہ کہہ کر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اِس سے پہلے آپ تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر بڑے زور سے فرمایا "کان کھول کر سُن لو کہ پھر بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔" آپ نے اِس فقرہ کو تین دفعہ دہرایا یعنی آپ بار بار فرماتے تھے کہ "پھر بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ پھر بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ پھر بہت بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔"

اِس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تین باتوں کو تین بڑے بڑے گناہ قرار دیا ہے۔

۱۔ کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا
۲۔ والدین کا کہا نہ ماننا
۳۔ جھوٹ بولنا

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض بچّے والدین کا کہنا نہیں مانتے اور انہیں جھوٹ بولنے کی بھی عادت ہوتی ہے۔ وہ ایسا کرنے کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ والدین کا کہنا نہ مان کر اور ذرا ذرا سی بات پر جھوٹ بول کر خدا کو اپنے پر ناراض کر رہے ہیں۔ رسولِ مقبولؐ

فرماتے ہیں کہ ماں باپ کا کہنا نہ ماننا اور جھوٹ بولنا بڑے بڑے گناہوں میں داخل ہے۔ جو بچہ ماں باپ کا کہنا نہیں مانتا وہ بہت بڑا گناہ کرتا ہے۔ اسی طرح جو بچہ جھوٹ بولتا ہے وہ بھی بہت بڑا گناہ کرتا ہے۔ یہ دونوں اتنے بڑے گناہ ہیں کہ جو بھی ایسے گناہ کرتا ہے خدا اُس پر کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔ اور جس پر خدا خوش نہ ہو اُس سے بڑا بدنصیب اور کوئی نہیں۔

پس بچوں کو چاہیئے کہ وہ ماں باپ کی نافرمانی اور جھوٹ کو معمولی بات نہ سمجھیں یہ صرف گناہ ہی نہیں بلکہ دو بہت بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اِن سے اِس طرح بچیں جس طرح چوہا بلّی سے بھاگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں بلّی کے قبضہ میں چلا گیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ یہی حال بڑے بڑے گناہوں کا ہے۔ یہ انسان کی رُوح کو مار دیتے ہیں۔ اِس لئے اِن تین باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔ کبھی کسی کو خدا کا شریک نہ قرار دو۔ کبھی والدین کی نافرمانی نہ کرو۔ اور کبھی جھوٹ نہ بولو۔

خدا ہمارے بچوں کو اِن تین بڑے بڑے گناہوں سے بچائے۔ آمین ؎

مسیح پاک علیہ السلام کی ایک دُعا

اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرّہ مرا
پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار

فضل کے ہاتھوں سے اب اِس وقت کر میری مدد
کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اِس طوفاں سے پار

میرے زخموں پر لگا مرہم کہ مَیں رنجور ہوں
میری فریادوں کو سُن مَیں ہو گیا زار و نزار

دیکھ سکتا ہی نہیں مَیں ضعفِ دینِ مصطفےٰ
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اِس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سُن لے پکار

(درثمین)

زعماء اور زعماء اعلیٰ انصار اللہ کا انتخاب

آئندہ تین سال کے لئے بعض مجالس انصار اللہ کے لئے زعماء / زعماء اعلیٰ کا انتخاب ابھی تک نہیں ہو سکا۔ ایسی مجالس کے امراء و صدر اصحاب کی خدمت میں گذارش ہے کہ از راہ کرم اپنی پہلی فرصت میں مقامی مجلس انصار اللہ کے زعیم / زعیم اعلیٰ کا انتخاب کروا کے اپنی رپورٹ کے ساتھ جلد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی خدمت میں منظوری کے لئے بھجوا دیں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

زعماء اور زعماء اعلیٰ کی توجہ کیلئے

جن مجالس انصار اللہ میں زعماء / زعماء اعلیٰ کے انتخابات ہو چکے ہیں اور انہوں نے ابھی تک مجلس عاملہ کی منظوری حاصل نہیں کی اُن مجالس کے زعماء / زعماء اعلیٰ کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ مختلف عہدوں کے لئے نام تجویز کر کے جلد محترم صدر صاحب مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی خدمت میں بغرض منظوری ارسال فرما دیں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

بھارت میں ماہنامہ "انصار اللہ" کا نمائندہ

مکرم قریشی عطاء الرحمان صاحب درویش دار المسیح قادیان کو بھارت میں ماہنامہ انصار اللہ کا نمائندہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں جملہ خط و کتابت ان سے کی جائے۔

(مینیجر ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ)

انسپکٹر مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ کا دورہ

مکرم خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی واقفِ زندگی انسپکٹر مجلس انصار اللہ مرکزیہ ۳؍ جنوری ۱۹۶۲ء سے مختلف مقامات کی مجالس کا دورہ کر رہے ہیں۔ مکرم خواجہ صاحب جہاں مجالس کے تربیتی اور تنظیمی امور کا جائزہ لے رہے ہیں وہاں ان کے دورہ کی ایک بڑی غرض ماہنامہ "انصار اللہ" کی توسیع اشاعت کے کام کو سرانجام دینا بھی ہے۔

آپ پروگرام کے مطابق ۱۶؍ جنوری سے ۲۰؍ جنوری تک ملتان اور ۲۰؍ جنوری سے ۵؍ فروری تک لاہور و ملحقہ بعض دیگر مقامات کا دورہ کریں گے۔ ان مقامات کی مجالس انصار اللہ کے عہدیداران اور دیگر احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ مرکزی نمائندہ سے پورا پورا تعاون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

احباب کرام کی اطلاع کیلئے

جن احباب کا ماہنامہ "انصار اللہ" کا چندہ خریداری اکتوبر، نومبر دسمبر ۱۹۶۱ء میں ختم ہو چکا ہے اور انہوں نے ابھی تک نئے سال کا چندہ ارسال نہیں فرمایا ہے اِس ماہ اُن کی خدمت میں پرچہ بذریعہ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ ایسے جملہ احباب کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ وی پی وصول فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

حقیقی توحید سے کیا مراد ہے ؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں :-

,, یاد رہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خداتعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے ، خواہ بت ہو ، خواہ انسان ہو ، خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر اور فریب ہو ، منزہ سمجھنا ۔ اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا ، کوئی رزاق نہ ماننا ، کوئی معز اور مذل خیال نہ کرنا ، کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا ۔ اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا ، اپنی عبادت اسی سے خاص کرنا ، اپنا تذلل اسی سے خاص کرنا ، اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا ، اپنا خوف اسی سے خاص کرنا ۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہوسکتی ۔ اول ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا ۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کے ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا ۔ اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رساں نظر آتے ہیں یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا ۔ تیسرے اپنی محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید یعنی محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خداتعالیٰ کا شریک نہ گرداننا اور اسی میں کھوئے جانا ۔،،

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں طبع ہوا